ذکرِ جمیل

تذکرہ

اولادِ امجاد حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین محمد نور رحمۃ اللہ علیہ

خلفِ پنجم

حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی

قریشی اسدی الہاشمی سہروردی قدس سرہ

مؤلفہ و مرتبہ:

مفتی محمود عالم ہاشمی

مطبوعہ: آفتاب عالم پریس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مدت سے ارادہ تھا کہ خاندان کے شیوخ و اکابر کے حالات قلم بند کیے جائیں جس میں اُن کے علمی فتوحات اور روحانی فیوضات کا ذکر ہو۔

حالات مختلف تاریخوں، تذکروں اور مقالوں میں بکھرے پڑے تھے۔ دو سال کی تحقیق و تلاش میں اکٹھے ہوئے۔ اب انہیں سلسلہ وار ترتیب دے کر شائع کیا جا رہا ہے۔

میرے خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام مخدوم بہاءالدین زکریا قریشی الہاشمی اسدی ملتانی سہروردی ہیں۔ اس لیے حضرت ہی کے ذکر سے آغازِ کتاب کیا گیا ہے۔ نیز اس ضمن میں جن دیگر بزرگوں کے اسمائے گرامی آ گئے ہیں۔ اُن کے حالاتِ زندگی بھی نہایت اختصار کے ساتھ الگ بیان کر دیئے ہیں۔ تاکہ اُس زمانے کے حالات و واقعات سمجھنے میں آسانی رہے۔

اس مختصر سے تذکرے میں جہاں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ رطب کے ساتھ یابس نہ آنے پائے۔ وہاں اس چیز کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ کہ کوئی اہم واقعہ رہ بھی نہ جائے۔

یہ تذکرہ جہاں افرادِ خاندان کو اُن کے آباؤ اجداد کے علمی و روحانی کارناموں سے روشناس کرائے گا۔ وہاں آیندہ نسل کے لیے بھی مشعل راہ کا کام دے گا۔ نیز اہلِ علم کے لیے بھی ایک گونہ مفید ہو گا۔ کیوں کہ علمی تحقیق و تدقیق کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ اور نہ کسی عہد میں کسی تصنیف و تالیف کو حرفِ آخر کہا جا سکتا ہے۔ علمی اکتشافات ہوتے رہتے تھے۔ تحقیق و تجسس کی گنجائش ہر زمان میں رہی ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔

مطبوعہ کتب۔ پرانی دستاویزات:۔ خاندان کے ذی علم اور ثقہ بزرگوں سے جو کچھ معلومات فراہم ہو سکی ہیں۔ فی الحال اُنہی کو شائع کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ان معروضات کے بعد میں جناب محترم اقبال احمد فاروقی ایم اے پرچیز آفیسر محکمۂ صنعت اور جناب محبی کرم فرما حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری کا بے حد سپاس گذار ہوں کہ جنھوں نے اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں اپنی مفید و بیش قیمت آراء سے مجھے نوازا اور بعض کتب کی فراہمی میں میری امداد فرمائی۔ اسی طرح عزیزم سید اصغر علی جعفری ایم اے ایل ایل بی ویلفیئر آفیسر پی ڈبلیو آر کا بھی ممنونِ احسان ہوں۔ کہ جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس تذکرہ کے مسودہ پڑھنے کی زحمت گوارا کی۔

آخر میں میں اپنے برادرِ معظم جناب کرنل مفتی محمد افتخار الدین کا تمام افرادِ خاندان کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی تحریک و تائید اور کلی مالی امداد سے یہ تذکرہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ایسے مربی علم پرور علم دوست اور فخرِ خاندان کو اس کارِ خیر پر اجرِ عظیم عطا فرمائیے۔

احقر

۲۰ جنوری ۱۹۶۸ء مفتی محمود عالم ہاشمی سہروردی



مفتی محمود عالم ہاشمی

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش　　میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق　　نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل کتب و مقالات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

کتب

(۱) سیر العارفین - از حضرت مولانا شیخ جمال خاں جمالی سہروردی۔

(۲) اخبار الاخیار - از حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

(۳) منتخب التواریخ - از ملا عبدالقادر بدایوانی۔

(۴) سفینۃ الاولیاء - از شہزادہ محمد دارا شکوہ۔

(۵) تاریخ فرشتہ - از محمد قاسم فرشتہ۔

(۶) سیر المتاخرین - از غلام حسین طباطبائی۔

(۷) خزینۃ الاصفیاء
(۸) گنج تاریخ
(۹) مدینۃ الاولیاء
(۱۰) حدیقۃ الاولیاء
(۱۱) بہارستان تاریخ
(۱۲) تاریخ مخزن پنجاب
(۱۳) مخزن حکمت
} از حضرت مولانا مفتی غلام سرور لاہوری

(۱۴) تاریخ لاہور
(۱۵) تاریخ پنجاب
} از رائے بہادر کنہیا لال

(۱۶) تاریخ لاہور (اردو و انگریزی) از سید عبداللطیف جج۔

(۱۷) حدائق الحنفیہ - از مولوی فقیر محمد جہلمی۔

(۱۸) حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار - از مولوی امام بخش جام پور - ڈیرہ غازی خاں۔

(۱۹) تذکرہ علمائے ہند - از مولانا رحمان علی۔

(۲۰) تذکرہ اولیائے ہند - از مرزا احمد کیرانوی۔

(۲۱) تذکرہ علماء و المشائخ - از منشی دین محمد فوق -

(۲۲) تذکرہ صوفیائے پنجاب - از مولانا اعجاز الحق قدسی -

(۲۳) بزمِ صوفیا - از سید صباح الدین عبدالرحمٰن -

(۲۴) تصوفِ اسلام - از مولانا عبدالماجد دریابادی -

(۲۵) تذکرہ - از مولانا ابوالکلام آزاد -

(۲۶) آبِ کوثر - از شیخ محمد اکرام ایم اے -

(۲۷) بہاء الدین زکریا ملتانی - از مولانا نور احمد فریدی -

(۲۸) رموزِ اطبار - مؤلفہ و مرتبہ حکیم فیروز الدین -

(۲۹) نقوش لاہور نمبر سنہ ۱۹۶۲ء -

(۳۰) اولیائے لاہور - از محمد لطیف ملک ایم اے -

(۳۱) تاریخ جلیلہ -

(۳۲) بزرگانِ لاہور - از مولانا پیر غلام دستگیر نامی -

مقالات

(۱) مفتی غلام سرور لاہوری - از جناب پروفیسر عاشق محمد غوری ایم اے - یہ مقالہ فاضل پروفیسر نے انگریزی زبان میں لکھا تھا - جو دیال سنگھ کالج میگزین میں شائع ہوا تھا -

(۲) مفتی غلام سرور لاہوری اور اُن کی تصانیف - از مفتی محمود عالم ہاشمی - یہ مقالہ حلقۂ ارباب علم میں پڑھا گیا تھا - اور رسالہ سارہ بان لاہور میں شائع ہوا تھا -

(۳) مفتی غلام سرور بحیثیت مصنف و مؤرخ - از جناب آقا بیدار ایم اے ایل ایل بی پرنسپل دار العلوم السنۂ شرقیہ - یہ مقالہ بھی حلقۂ ارباب علم میں پڑھا گیا تھا -

(۴) مفتی غلام سرور لاہوری - از مفتی محمود عالم - یہ مبسوط مقالہ مفتی صاحب کی سوانح حیات اور تصانیف کے متعلق تھا - یہ مقالہ مولانا عبداللہ قریشی مدیر ادبی دنیا کی تحریک پر از سرِ نو تحقیق و تدقیق کے بعد لکھا گیا تھا - کیوں کہ اس سے قبل جتنے مقالات مفتی صاحب پر لکھے گئے تھے - وہ کسی نہ کسی حیثیت سے تشنہ تھے - یہ مقالہ رسالہ نقوش فروری سنہ ۱۹۶۱ء شائع ہوا تھا -

(۵) مفتی غلام سرور لاہوری - از اقبال احمد فاروقی ایم اے - یہ مقالہ انجام کراچی میں شائع ہوا تھا -

(مؤلف) مفتی محمود عالم ہاشمی)



کرنل مفتی محمد افتخار الدین ہاشمی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انتساب

محترم

جناب کرنل مفتی محمد افتخار الدین قریشی اسدی الہاشمی چشتی۔ آر۔ پی۔ ای۔
ایم۔ آئی۔ ای انڈیا۔ اے۔ ایم۔ آئی۔ انگلینڈ۔ ایم آر ایس۔ انگلینڈ
ریٹائرڈ فرسٹ منٹ ماسٹر آف پاکستان

کے نام معنون کیا جاتا ہے۔

اگر سیاہ دلم داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

احقر

مفتی محمود عالم ہاشمی

فہرست اسماء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

(۱) حضرت شیخ الاسلام مخدوم غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی قریشی اسدی[1] الہاشمی سہروردی

زکریا ۔ نام ۔ ابو محمد کنیت ۔ مخدوم غوث بہاؤ الدین لقب ۔ شیخ الاسلام خطاب ۔

آپ کا خاندان دوسری صدی ہجری کے آغاز میں بنو امیہ اور بنو عباس کی خانہ جنگی کے وقت مکہ معظمہ سے نقل مکان کر کے خوارزم[2] میں آکر آباد ہو گیا تھا چھٹی صدی ہجری میں تاتاری حملوں کی وجہ سے ترکستان خراسان اور مغربی ایران سے بہت سے علماء و صلحاء و صوفیاء مغربی پنجاب میں آکر آباد ہو گئے تھے ۔ چنانچہ آپ کے دادا حضرت کمال الدین شاہ ابی بکر بھی خوارزم سے آکر پہلے کوٹ کرور (ضلع ڈیرہ غازی خاں) میں آکر قیام پذیر ہوئے ۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد

---

[1] آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم بن عبد المناف تک سترہ واسطوں سے اس طرح منتہی ہوتا ہے ۔

حضرت شیخ الاسلام مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی بن شیخ وجیہ الدین محمد غوث بن حضرت شیخ کمال الدین شاہ ابی بکر بن سلطان جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن سلطان شمس الدین بن سلطان حسین بن سلطان عبداللہ بن امیر حسین بن امیر مطرف بن امیر خذیمہ بن امیر حازم بن امیر تاج الدین المطرف بن امیر عبدالرحیم بن امیر عبدالرحمٰن بن حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسد بن ہاشم بن عبد المناف ۔

[2] امیر تاج الدین المطرف کو بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان الحکم المتوفی ۱۳۲ھ نے اپنی بیعت پر مجبور کیا ۔ مگر آپ عباسی دعوت میں امام ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوئے تھے ۔ آپ پہلے تو مروان الحکم کے حکم کو ٹالتے رہے ۔ مگر جب اس نے زیادہ تقاضا کیا ۔ اور حالات زیادہ بگڑنے شروع ہو گئے ۔ تو آپ مع اہل و عیال ہجرت کر کے الجیال جو اب خوارزم کہلاتا ہے ۔ مکہ معظمہ سے آکر اقامت پذیر ہو گئے ۔ یہ علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ سوم نے اولاد حضرت ہبار کو جاگیر میں دیا ہوا تھا ۔ چنانچہ امیر تاج الدین المطرف اور ان کی اولاد پانچویں صدی ہجری تک ایک آزاد امیر کی حیثیت سے یہاں متصرف و اقامت گزیں رہے ۔

ملتان آکر اقامت گزیں ہوگئے۔ قلعہ کوٹ کروڑ میں آپ کے فرزند شیخ وجیہ الدین محمد غوث پیدا ہوئے۔ جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی دختر سے ہوئی۔ یہ بھی یورش تاتار کی وجہ سے قلعہ کوٹ کروڑ میں آکر آباد ہو چکے تھے۔ شیخ وجیہ الدین محمد غوث بھی اپنے محترم خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کروڑ میں ہی رہنے لگے تھے۔ چنانچہ یہیں حضرت زکریا ۵۷۸ھ میں بعہد خسرو ملک بن خسرو شاہ المتوفی ۵۸۳ھ جو خاندان غزنوی کا آخری تاج دار تھا۔ پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد شیخ وجیہ الدین محمد غوث المتوفی ۵۹۰ھ بعہد سلطان محمد غوری المتوفی ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء کے سایۂ عاطفت میں پائی۔ کچھ عرصہ مولانا نصیر الدین بلخی سے بھی درس لیا۔ ہفت قرأت کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ ابھی بارہ برس ہی کے تھے۔ کہ والد گرامی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اور آپ مزید تعلیم کے لیے خراسان و بخارا تشریف لے گئے۔

خراسان میں سات سال قیام کیا۔ اور یہاں کے جید علماء و فضلاء و مشائخ سے اخذ فیض کیا۔ پھر بخارا آئے۔ اور یہاں کے بزرگانِ دین سے تحصیل علوم کی۔ اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کی وجہ سے اہل بخارا آپ کو بہاؤ الدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ یہاں آٹھ سال رہنے پھر مکہ معظمہ آئے۔ فریضۂ حج ادا کیا۔ پھر مدینہ منورہ آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ اور پانچ سال جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی بسر کی اس اثناء میں حضرت مولانا کمال الدین یمنی سے جو اپنے زمانے کے بلند پایہ محدث تھے۔ علم حدیث کی سند لی۔ پھر بیت المقدس آئے۔ آثار انبیائے کرام کی زیارات سے مشرف ہوئے۔ یہاں سے بغداد آئے۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین[1] عمر سہروردی قدس سرہ العزیز کے

---

[1] شہاب الدین نام۔ ابوحفص عمر کنیت۔ شیخ الشیوخ لقب۔ والد کا نام شیخ محمد تھا۔ سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ عراق عجم کے مشہور قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی المتوفی ۵۶۲ھ کے نامور مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی المتوفی ۵۶۲ھ سے بھی اخذ فیض (باقی برصفحہ ۱۵)

حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور سترہ روز حاضر خدمت رہ کر علوم حاضری و باطنی میں تکمیل کی۔ اور بہ اشارۂ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور حسب ارشاد شیخ الشیوخ ملتان آکر ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں مصروف ہوگئے۔ باری تعالیٰ نے جلدی ہی آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا۔ پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے اکثر قبائل اور خاندان آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بلکہ یہ علاقے تو آپ کے روحانی تصرف میں سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سلسلۃ الذہب کے مصنف شیخ محمد نوربخش آپ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ کہ لوگوں کو ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف۔ گناہ سے عبادت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لانے میں بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ آپ ہندوستان کے رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء کے سلسلے منشعب ہوئے ہیں۔ مؤرخ آپ کے عہد کو خیر العصر لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) کیا تھا۔ آپ سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ اور تمام صوفیا میں امام و مقتدا مانے جاتے ہیں مرجع خلائق تھے۔ حضرت شیخ کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن میں بعض بڑے پایہ کی ہیں جن میں سے عوارف المعارف شہرۂ آفاق ہے۔ آپ علوم قرآن کے فاضل اور حدیث و فقہ کے عالم متبحر تھے۔ تمام احوال و مقامات کو شرعی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے استناد کرتے جاتے ہیں۔ آپ کے مرید بھی اپنے وقت کے کامل و فاضل ہوئے ہیں۔ خاص کر شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی۔ سید نورالدین مبارک غزنوی المتوفی ۶۳۲ھ قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی ثم الچشتی المتوفی ۶۷۳ھ شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی المتوفی ۶۷۸ھ زیادہ مشہور ہیں۔ ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس بغداد میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات از حضرت مولانا مفتی غلام سرور لاہوری۔

رہبر اکبر شہاب الدین ولی دو جہاں	مقتدائے دین و دنیا شیخ عالم دستگیر
کاشف عالم ۵۳۹ھ بگو مصباح عرفاں ۵۴۲ھ کن رقم	تا ترا حاصل شود تولید آں روشن ضمیر
بہر ترحیلش بخواں سرور شہاب الدین بزرگ ۶۳۲ھ	بار دیگر کن بیاں زاہد شہاب الدین کبیر ۶۳۲ھ

رشد و ہدایت خواص و عوام دونوں کے لیے تھی۔ اور دونوں طبقوں کو اپنی ذاتِ بابرکات
سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش المتوفی ٦٣٣ھ جو اپنے
زہد و تقویٰ دین داری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔
شیخ الاسلام خواجہ نجم الدین صغریٰ کو جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ المتوفی ٦١٧ھ
کا مرید اور حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ٦٣٣ھ
کا پیر بھائی تھا۔ اُس کی بعض بدعنوانیوں پر اور خاص کر جو اتہام اُس نے حضرت شیخ سید
جلال الدین تبریزی قدس سرہ المتوفی ٦٤٢ھ پر لگایا تھا۔ جو بعد تحقیق غلط ثابت ہوا معزول
کر کے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ آپ سرزمین پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے مؤسس
اعلیٰ ہیں۔

آپ کے زمانے میں حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے اور خلفاء بھی
ہندوستان آئے۔ مثلاً حضرت قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہ المتوفی ٦٧٨ھ۔ حضرت
شیخ جلال الدین تبریزی۔ لیکن ان حضرات کو چشتیہ بزرگوں کی کشش نے اپنا لیا۔ اور انہوں نے
سہروردی سلسلہ کو ہندوستان میں فروغ دینے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی۔ بعض تذکروں میں
حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے ایک اور مرید و خلیفہ شیخ شہاب الدین؛
المعروف بہ جگجوت کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ مگر یہ پورب چلے گئے تھے۔ اور پٹنہ کے قریب ایک
قصبہ جھٹلی میں مدفون ہیں۔ بہار کے مشہور اہل قلم صوفی حضرت شیخ شرف الدین منیری المتوفی ٧٨٢ھ
انہی کے حقیقی نواسے تھے۔ یہ کمی آپ نے پوری کی۔ اور حضرت کی وجہ سے سلسلہ سہروردیہ
کو سرزمین پاک و ہند میں اہم جگہ مل گئی۔ علوم قرآن و حدیث کی ترویج۔ اشاعت دین اسلام
احکام شریعت کا اتباع۔ ریاضت و مجاہدہ۔ مراقبہ اور ذکر و فکر۔ سماع سے اجتناب۔ غیر شرعی
امور سے احتیاط۔ جوشِ تبلیغ، اعلاء کلمۃ الحق۔ اس سلسلے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ انہی ٹھوس
مذہبی خدمات کی بدولت سرزمین پاک و ہند میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ ملتان میں آپ کا حلقۂ
درس بڑا وسیع تھا۔ ایران، عراق، عجم، بلخ اور بخارا تک شہرت تھی۔ ان ممالک سے طالبانِ
علم و ہدایت آتے تھے۔ اور فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔ آپ کی مجلسِ رشد و ہدایت میں خواص و

عوام کے علاوہ اپنے وقت کے مقتدر علماء و فضلاء بھی شریک ہو کر اخذِ فیض کرتے تھے۔ ترویج علم اور رشد و ہدایت کے اس انہماک عبادت و ریاضت، فیاضی و استغنا، جود و سخا، بردباری و تواضع درجۂ کمال پر تھی۔ کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف تھا۔ ایک بار اپنے خلفاء کے ساتھ مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص ہے۔ جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے۔ اور ایک رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے۔ حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا۔ اور چار پارے اور پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ بارہا فرماتے تھے۔ کہ اہلِ دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے۔

سیر العارفین کے مصنف مولانا جلال خاں المتوفی سنہ ۹۴۲ھ جو شیخ جمالی کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے مرشد اور خالو حضرت مولانا سماء الدین سہروردی المتوفی سنہ ۹۰۱ھ سے منقول ہیں۔ کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کا معمول تھا۔ کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک شروع کرتے۔ اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا ختم کر لیتے۔ فیاضی کی یہ کیفیت تھی۔ کہ ایک دفعہ ملتان میں سخت قحط پڑا۔ حاکم ملتان ناصر الدین قباچہ نے امداد کی درخواست کی۔ آپ نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ذخیرہ سے اس کے پاس بھجوا دی۔ جب غلہ اس کے پاس پہنچا۔ تو اس کے انبار سے سات نقرئی توڑے بھی نکلے۔ قباچہ نے آپ کو اطلاع دی۔ جواب بھیجا کہ ہم کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

آپ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے۔ مہمانوں درویشوں اور مسافروں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھا رہا ہے۔ تو اُسے دیکھ کر بہت مسرور ہوتے۔

ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی۔ آپ نے ہر ایک درویش کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں خوب بھگو کر کھا رہا ہے آپ نے فرمایا سبحان اللہ! سب درویشوں میں یہ درویش خوب کھانا جانتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ نان ترکو اور کمانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے۔ جو مجھ کو تمام انبیاء پر ہے۔ اور عائشہ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے۔

استغنا کا یہ مقام تھا کہ ایک روز خادم سے فرمایا۔ کہ جاؤ فلاں صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں۔ اُٹھا لاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا۔ مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا۔ واپس آکر شیخ کو اطلاع دی۔ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا۔ الحمدللہ۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا۔ اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی۔ پھر الحمدللہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمدللہ فرمایا۔ اور مل جانے پر بھی۔ ارشاد فرمایا۔ کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود و عدم دونوں برابر ہے۔ ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے۔ اور نہ اُس کے جانے کا غم ہوتا ہے۔ اسی وقت وہ پانچ ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیئے۔

تواضع کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک بار کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے۔ آپ اُن کے پاس پہنچے۔ مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا۔ کہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور سلام عرض کیا۔ مگر ایک مرید وضو تمام کر کے تعظیم بجا لایا۔ آپ نے اظہار خوشنودی فرمایا اور ارشاد کیا۔ کہ تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

جود و سخا میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ایک بار آپ کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔ انہوں نے حضرت سے روحانی استمداد کی۔ آپ کی توجہ سے جہاز محفوظ ہو گیا۔ جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے۔ جب جہاز ساحل پر پہنچا۔ تو اُن تاجروں نے اپنے مال کا تیسرا حصہ حضرت کی نذر کا بھیجا۔ جسے خواجہ فخرالدین گیلانی لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ کل رقم ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوئے تھے۔ حضرت نے قبول فرما کر تین دن کے اندر یہ کل رقم حق داروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی۔ خواجہ فخرالدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے۔ کہ اپنا تمام مال و اسباب فقراء میں بانٹ دیا۔ اور حضرت کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر تکمیل سلوک کی۔ اور پانچ سال کے بعد حج کو روانہ ہو گئے۔ مگر جدہ پہنچ کر وفات پائی۔ ان علمی و روحانی فتوحات کے علاوہ آپ کو ملکی سیاست اور رفاہی و اصلاحی امور میں بھی

بڑا دخل حاصل تھا۔ چنانچہ ۶۲۵ھ میں جب منگول ملتان پر حملہ آور ہوئے۔ تو ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان و سندھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور امداد کے لیے درخواست کی۔ آپ ایک لاکھ نقد درم لے کر منگولوں کے کیمپ میں گئے۔ اور یہ رقم انہیں دے کر واپس کیا اور شہر کو غارت گری سے بچایا۔ ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان و سندھ سلطان محمد غوری المتوفی ۶۰۲ھ کا غلام تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک المتوفی ۶۰۷ھ کی وفات تک تو وہ بادشاہِ دہلی کا وفادار رہا۔ جب قطب الدین ایبک کے بعد سلطان شمس الدین التمش المتوفی ۶۳۴ھ جو اپنے زہد و تقویٰ دین داری اور شریعت کی پاس داری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے بادشاہ ہوا۔ تو قباچہ نے سلطان کی ہر دلعزیزی اور اُس کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر معاندانہ سازشیں شروع کیں۔ اور خود مختاری کا ارادہ کیا۔ آپ نے اور قاضی شرف الدین اصفہانی قاضیٔ ملتان نے قباچہ کے ان منصوبوں کی اطلاع سلطان کو دینی چاہی۔ اتفاق سے یہ دونوں خط قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ ان کو پڑھ کر سخت مشتعل ہوا۔ اور ایک فرمان کے ذریعے انہیں طلب کیا۔ جب دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے آئے۔ تو قباچہ نے حضرت شیخ کو اپنی داہنی جانب بٹھایا۔ اور قاضی شرف الدین کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور اُن کا خط اُن کے ہاتھ میں دیا۔ قاضی شرف الدین خط پڑھ کر خاموش رہے۔ قباچہ نے اُنہیں وہیں قتل کرا دیا۔ پھر حضرت کا مکتوب اُن کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بیشک یہ میرا ہی خط ہے۔ اور میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے۔ اور صحیح لکھا ہے تمہاری کوششوں سے سوائے مسلمانوں کا خون بہے اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اور معذرت کر کے آپ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے باوجود قباچہ اپنے مذموم ارادے سے باز نہ آیا سلطان کے خلاف بغاوت کی۔ سلطان سرکوبی کے لیے آیا۔ یہ تاب مقابلہ نہ پا کر بھاگا ۶۲۶ھ میں دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا۔

اپنے تمام معاصرین کے ساتھ برادرانہ و مخلصانہ و فیاضانہ مراسم تھے۔ حضرت شیخ

مسعود فریدالدین گنج شکر المتوفی ۶۶۴ھ کے ساتھ بے حد مودت و اخوت تھی۔ ایک دفعہ حضرت شیخ کبیر بابا فرید کے نام ایک خط لکھا۔ جس کا ایک فقرہ تھا۔ "میان ما و شما عشق بازی است"۔ حضرت بابا فرید نے جواب دیا۔ "میانِ ما و شما عشق است بازی نیست"۔ ایک بار حضرت بابا فرید آپ کی ملاقات کے لیے ملتان تشریف لائے۔ دوران گفتگو میں آپ سے پوچھا "فرید ہم نے سنا ہے۔ کہ تم نے بڑی ریاضت و مجاہدہ کیا ہے۔ کہو اس معاملہ میں کہاں تک پہنچے"۔ حضرت بابا نے فرمایا حضرت جس کرسی پر آپ تشریف فرما ہیں۔ اگر میں اسے کہوں۔ کہ ہوا میں اُٹھ کھڑی ہو تو۔ . . . ابھی حضرت بابا فرید نے کہا ہی تھا۔ کہ کرسی میں جنبش آگئی آپ نے کرسی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ "ساکن شو"۔ یہ بات تو بہ سبیل تذکرہ تھی۔ آپ نہایت خوش ہوئے۔ اور فرمایا فرید تو نے اپنے معاملہ کو انتہائے کمال تک پہنچایا ہے۔

حضرت شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی المتوفی ۶۳۳ھ جب وارد ہندوستان ہوئے۔ تو کمال اشتیاق ملاقات کے باعث ملتان بھی تشریف لائے۔ اور ایک عرصہ تک آپ کے پاس قیام کیا۔ کچھ معتقدین نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی۔ تو آپ نے فرمایا۔ ملتان کی سرزمین پر شیخ زکریا کا قبضہ و سایہ کافی ہے۔ یہاں ان ہی کا تعلق ہے۔ تم لوگوں کو ان ہی کی حمایت حاصل رہے گی۔

حضرت شیخ حمید الدین صوفی السعید ناگوری قدس سرہ المتوفی ۶۷۳ھ جو حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری المتوفی ۶۳۳ھ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اور بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ترک علائق اور تجرید و تفرید میں مقام بلند رکھتے تھے۔ اصول الطریقت آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ان سے آپ کی اکثر خط و کتابت رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ مقامات فقر و غنا زیر بحث آگئے۔ حضرت شیخ حمید الدین نے آپ کو تحریر کیا۔ "یہ مجھے ٹھیک معلوم ہے۔ کہ آپ واصلانِ حق میں سے ہیں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دولت دنیا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے۔ کہ آپ جیسا واصلِ بحق اس دشمن چیز کو دور نہیں کرتا"۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ بھی معلوم ہے۔ کہ دنیا کہتے کس کو کہتے ہیں اور دونوں میں کیا فرق ہے۔ اور اس میں سے کس قدر میرے پاس ہے۔ آپ نے اس کے متعلق

حضرت شیخ حمید الدین کو بہت کچھ لکھا۔ مگر اُن کی تسلی نہ ہوئی۔ بلکہ اس مسئلہ کے متعلق اُنکی حیرت بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر آپ نے توجہ باطنی سے اُن پہ یہ گرہ کھولی۔ جب عالم غیب سے اُن پہ یہ بھید ظاہر ہوگیا۔ تو پھر انہوں نے اسے کسی کو بتایا نہیں۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی المتوفی ۶۴۲ھ جو اول شیخ ابو سعید تبریزی کے مریدوں سے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں آکر تکمیل زہد و سلوک کیا۔ اور اپنے مرشد کی اس طرح خدمت کی۔ کہ شاید ہی کسی نے کی ہو۔ حضرت شیخ الشیوخ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اور چونکہ آپ بہت بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے۔ اس لیے نرم و گرم کھانا تناول کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی اپنے سر پر انگیٹھی اور دیگچی اُٹھائے رکھتے تھے۔ تاکہ جس وقت شیخ کھانا طلب کریں انہیں نرم و گرم کھانا دیا جائے۔ حضرت شیخ الشیوخ ہی کی خانقاہ میں آپ کی ملاقات حضرت شیخ زکریا سے ہوئی۔ اور آپ ان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ جب حضرت شیخ زکریا حسب اجازت مرشد ہندوستان واپس آنے لگے۔ تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے بھی آپ کے ساتھ ہندوستان آنے کی اجازت اپنے مرشد سے حاصل کرلی۔ دوران سفر میں ان دونوں بزرگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد حضرت شیخ زکریا عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اور شیخ جلال الدین تبریزی شہر کی سیر کو نکل جاتے۔ ایک دن نیشاپور میں راستے میں شیخ جلال الدین تبریزی کی ملاقات حضرت شیخ فرید الدین عطار[1] المتوفی ۶۲۷ھ سے ہوئی۔ شیخ جلال الدین پر اُن کی بزرگی و روحانیت کا بڑا اثر ہوا۔ واپس آکر حضرت شیخ زکریا سے

---

[1] حضرت شیخ مجد الدین بغدادی المتوفی ۶۱۶ھ کے مرید تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم، فاضل و شاعر تھے۔ حضرت مولانا عبد الرحمن جامی المتوفی ۸۹۸ھ اپنی تصنیف نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ گروہ صوفیا میں سے کسی نے اپنے کلام میں اسرار توحید اور حقائق و معارف اس قدر بیان نہیں کیے۔ جتنے شیخ عطار نے کیے ہیں۔ آپ کئی ایک بے نظیر کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں سے تذکرۃ الاولیاء اور منطق الطیر شہرہ آفاق ہیں۔

یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دریافت کیا اُن سے کیا گفتگو ہوئی۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے جواب دیا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے عرض کی خطۂ بغداد سے۔ پھر پوچھا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے مرشد کا ذکر کیوں نہ کیا۔ جواب دیا کہ شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی۔ کہ سب کچھ بھول گیا۔ آپ کو یہ سن کر سخت رنج ہوا۔ اور شیخ جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے۔ اور شیخ جلال الدین تبریزی خراسان جا کر مقیم ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے۔ اور یہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی جو حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری کے مرید و خلیفہ تھے۔ ملاقات ہوئی۔ اور جلدی ہی ان دونوں بزرگوں کے مراسم نہایت گہرے ہو گئے۔

سلطان شمس الدین التمش دونوں کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا کرتا تھا۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغری جس طرح حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کا سخت مخالف تھا۔ اب شیخ جلال الدین تبریزی سے بھی حسد رکھنے لگا۔ جب یہ خاش بہت زیادہ ہو گئی۔ تو شہر کی ایک مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا۔ کہ وہ شیخ جلال الدین تبریزی پر فسق و فجور کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر شیخ جلال الدین تبریزی کو متہم کیا۔ سلطان نے شرعی تحقیقات ضروری سمجھی۔ اور ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی۔ شیخ نجم الدین کو حضرت شیخ زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کی باہمی رنجش کا حال معلوم تھا۔ اس نے آپ کو ملتان سے بلا کر صدر مجلس مقرر کیا۔ اس توقع پر کہ حضرت شیخ زکریا اُن کے خلاف فیصلہ دیں گے۔

مقررہ تاریخ جمعہ کے روز نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ بھی پیش کی گئی۔ شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا۔ جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تمام علماء و اولیاء اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں۔ تو حضرت شیخ زکریا نے اُن کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ حاضرین مجلس صدر مجلس کے اس فعل پر سخت حیران ہوئے۔ جب حضرت شیخ زکریا اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ تو آپ نے فرمایا۔

لیے حاضرین مجلس اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ حق اُبھرنے کے لیے اور باطل دبنے ہی کے لیے آیا ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی میرے مرشد کی خدمت میں سات سال رہے ہیں۔ اگر میں اُن کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں بیجا نہ ہوگا۔ شاید شیخ الاسلام نجم الدین صغری کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاؤ الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کرکے اُن کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے۔ کہ شیخ جلال الدین تبریزی سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے۔ لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لیے مطربہ کو سامنے لاؤ۔ چنانچہ مطربہ سامنے لائی گئی۔ مگر اُس پر ایسا رعب طاری ہوا۔ کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغری ایسا ذلیل و پشیمان ہوا۔ کہ اُسے مجلس ہی میں غش آگیا۔ اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہوگئی۔ سلطان خود اُس مجلس میں حاضر تھا۔ نجم الدین صغری کو اس کے اس کذب و افترا کی سزا میں شیخ الاسلام کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ اور حضرت شیخ زکریا سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی۔ آپ نے قبول فرمائی۔ اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ آپ کی اولاد و خاندان میں قائم رہا۔ اس تبحر علم اور کمال روحانیت کے ساتھ گاہے گاہے سماع سے بھی شغل فرماتے۔ مگر بطور شاذ و نادر۔ یت بہ حد غلو نہیں۔

ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا۔ اور حضرت کی خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ میری سماع کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے۔ اور میں اُن کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جب شیخ الشیوخ نے سماع سنی ہے۔ تو زکریا بھی سنے گا۔ چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک پہر رات گزرنے پر آپ حجرہ میں تشریف لائے۔ دو پارے کلام پاک تلاوت کرکے قوال کو سماع کا حکم دیا۔ اور حجرہ کے دروازہ میں زنجیر لگا دی۔ قوال نے سماع اس شعر سے شروع کی ؎

مستاں کہ شراب ناب خوردند   از پہلوئے خود کباب خوردند

جب قوال نے اس بیت کی تکرار کی۔ تو حضرت شیخ وجد میں کھڑے ہو گئے۔ اور حجرہ کا

چراغ گل کر دیا۔ قوال کا بیان ہے۔ کہ اُسے کچھ معلوم نہ تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے لیکن اتنا نظر آ رہا ہے۔ کہ شیخ گردش کر رہے ہیں۔ اس ذوق و شوق اور علمی و روحانی فتوحات کے ساتھ عامۂ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت و تجارت کی طرف بھی توجہ دی اور اطراف ملتان میں جہاں اچھا موقع دیکھا۔ افتادہ جنگلوں کو آباد کرایا۔ کنوئیں اور نہریں کھدوائیں۔ ایسی بے نظیر و بے بدیل شخصیت جس میں روح و علم و عمل کا ایسا حسین امتزاج ہو۔ سرزمین پاک و ہند میں نہیں گذری۔ کہ جہاں آپ کی روحانیت ملاء الاعلیٰ پر ہے۔ وہاں علمی فضل و کمال کا پہلو بھی دبائے ہوئے ہے۔ اور سیاسی و ملکی و رفاہی امور پر بھی گہری نظر رکھتی ہے۔ یہ آپ کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ ورنہ سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لیے۔ ۶۶۶ھ مطابق ۱۲۶۲ عیسوی بہ عہد سلطان غیاث الدین بلبن وفات پائی۔ وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے۔ کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ مقدس بزرگ نمودار ہوئے۔ اور آپ کے فرزند اکبر حضرت شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں ایک سر مہر خط دیا۔ اور کہا کہ یہ خط اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر دیجئے۔ آپ خط دے کر باہر آئے۔ تو قاصد کو نہ پایا۔ ادھر خط دیکھتے ہی حضرت کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور آواز بلند ہوئی کہ "دوست بدوست رسید"۔ یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدرالدین دوڑے ہوئے حجرے میں گئے۔ دیکھا کہ آپ وصال پا چکے ہیں۔

راحت القلوب ملفوظات حضرت بابا گنج شکر مرتبہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین دہلوی میں ہے۔ کہ جس وقت حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کا وصال ہوا۔ اُسی وقت اجودھن (پاک پٹن) میں حضرت بابا صاحب گنج شکر بے ہوش ہو گئے۔ بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا۔ "برادرم بہاء الدین زکریا را ازیں بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند" پھر اُٹھ کر مریدوں کے ساتھ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ مزار پر انوار ملتان میں زیارت گاہ خلق ہے۔ اور ملتان و سندھ کا سب سے بڑا روحانی مرکز ہے۔

قطعات تاریخ ولادت و وفات از حضرت مولانا مفتی غلام سرور لاہوری۔

بادشاہ دیں بہاء الدین ولی	قطب اقطاب جہاں شیخ زماں

عشق حق تولید او تحریر کن — عاشقِ صادق بگو ترحیلِ آں
شمع نور آمد دگر ترحیل او — نیز فتح دیں بہاؤالدین بخواں
مرشد کامل بکن کامل رقم — عصمت اللہ سال تاریخش بداں
ہم بگرم یارِ حق والی بگو!! — پیر زکریا ولی حق بین بخواں

دیگر

شاہ روئے زمین بہاؤالدین — شیخ عالی ایں بہاؤالدین
گشت تولیدش از خرد روشن — مطلع نورِ دین بہاؤالدین
گفت سرور بسالِ رحلت او
عارف اہلِ یقین بہاؤالدین

تعلیمات: ۔حضرت کی کسی تصنیف اور ملفوظات کا ذکر تذکروں میں نہیں ہے مگر اپنے مریدوں کو جو وصایا اور خطوط لکھے ہیں۔ اُن کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخبار میں نقل کیا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

(۱) بندہ پر واجب ہے ۔کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تاکہ عبادات و اذکار سے نفیٔ غیر اللہ ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے ۔ کہ اپنے احوال کو درست کرے اور اپنے اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے ۔ ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے ۔ اور نہ کوئی کام انجام دے ۔ ہر قول و فعل سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اُس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے ۔

(۲) روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں ہے ۔ اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے ۔ اور بدن کی سلامتی قلت طعام میں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ ذکر ہی سے طالب محب تک پہنچتا ہے محبت ایسی آگ ہے ۔جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے ۔ اور جب محبت راسخ ہو جاتی ہے ۔ تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ہوتا ہے ۔یہی وہ ذکر کثیر ہے ۔جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح کا وعدہ کیا ہے ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

(۴) کریم وہ ہے۔ جس کی طبیعت کے ساتھ دل اور دل سب کے ساتھ ہو۔

(۵) جسم کے قالب میں قلب کی ایک حالت نہیں رہتی۔ ہر ایک زمانے میں وہ نئی حالت اور نئی رنگت بدلتا رہتا ہے۔ کبھی حاضر، کبھی غائب، کبھی عاجز، کبھی قادر، کبھی غافل۔ کبھی ہوشیار، کبھی خاموش، کبھی ذاکر، کبھی عالم، کبھی جاہل، کبھی کافر، کبھی مومن، کبھی زیر، کبھی بالا، کبھی نیک اور کبھی بد۔

(۶) دنیا میں تین قسم کے انسان ہیں۔ اول زاہد و عابد، جن کا ظاہر خراب اور باطن اچھا ہے (دوم) علماء و فضلاء جن کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ سوم جاہل جن کا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہے

(۷) تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ اول توبہ کے حوصلے پر گناہ کرنا۔ دوم۔ زندگی کے بھروسے پہ تائب نہ ہونا۔ سوم بخشش کی امید پر اپنے بڑے جرم کو ناچیز جاننا۔

(۸) زہد کے تین حرف ہیں۔ اول زا۔ اس سے دنیا کی زیب و زینت ترک کرنا مراد ہے۔ دوم۔ ہا۔ اس سے ہوا و ہوس کو چھوڑ دینا مقصود ہے۔ سوم۔ دال۔ اس دنیا و دولت سے درگزر کرنا مطلوب ہے۔

(۹) ظالم کو ظلم میں مدد دینا اُس کے فعل کو اچھا کہنا خود ظلم ہے۔ بلکہ اُس پر جور و جفا سے پیش آنا ثواب ہے۔

(۱۰) انسان کو چاہیئے۔ کہ جب منہ سے بات کہے تو سمجھے۔ کہ میری بات خدا سنتا ہے۔ اور خاموشی کے وقت یہ جانے۔ کہ خدا میرے دل کے راز سے واقف ہے۔ میرا اٹھنا اس کے روبرو اور میرا بیٹھنا اُس کے سامنے ہے۔

(۱۱) خدا کا خوف انسان کے دل کا چراغ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان ظاہری و باطنی تاریکی میں رہتا ہے۔

(۱۲) تین چیزیں تین شخصوں کو مضر ہیں۔ اول امراء اور حکام کو فساد۔ دوم۔ علماء کو طمع اور دولت مندوں کی ہم نشینی و قربت۔ مردانِ خدا و فقراء کو ریا۔

(۱۳) تقویٰ اس کو کہتے ہیں۔ کہ کوئی تیرا دامن نہ پکڑے۔ اور جواں مردی یہ ہے کہ تو کسی کا دامن گیر نہ ہو۔

(۱۴) آزاد طبع انسان کسی کا غلام نہیں ہوتا۔ اور عزیز الخلق کہیں ذلت نہیں پاتا

(۱۵) بادشاہ وہ ہے جس نے کسی کے آگے دستِ سوال نہیں پھیلایا۔ خدا پرست وہ ہے۔ جو تکبر و غرور کے دام میں نہ آئے۔ نیک وہ ہے۔ جو کسی کے ساتھ بدی نہ کرے۔

(۱۶) صاحب وقت نہ ماضی پر افسوس کرتا ہے۔ نہ مستقبل کا اندیشہ کرتا ہے۔ بہر حال اپنے حال میں خوش رہتا ہے۔

ازواج و اولاد:۔ حضرت کی دو زوجہ تھیں (۱) رشیدہ بانو (۲) شہر بانو۔

حضرت رشیدہ بانو کے بطن سے پانچ فرزند تولد ہوئے۔ (۱) مخدوم شیخ صدر الدین عارف (۲) مخدوم شیخ علاء الدین محمد (۳) مخدوم شیخ قدوۃ الدین محمد (۴) مخدوم شیخ شہاب الدین محمد نور (۵) مخدوم شیخ برہان الدین محمد۔

حضرت شہر بانو کے بطن سے دو فرزند اور دو صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔

(۱) مخدوم شیخ شمس الدین محمد محبوب خدا (۲) مخدوم شیخ ضیاء الدین محمد۔

دختر اول۔ نور بی بی زوجہ حضرت شیخ فخر الدین[۱] ابراہیم عراقی۔

---

[۱] حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خواہر زادہ تھے۔ دوران سیر و سیاحت میں وارد ملتان ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی زبردست شخصیت سے متاثر ہو کر اُنکے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ایک عرصے تک ملتان میں مقیم رہے۔ حضرت شیخ زکریا کے زیر سایہ منازلِ سلوک طے کیں۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔ حضرت شیخ نے اپنی صاحب زادی نور بی بی کی آپ سے شادی کر دی تھی۔ جن کے بطن سے ایک لڑکا کبیر الدین محمد پیدا ہوا تھا۔ یہ بھی اپنے نانا حضرت شیخ زکریا کے مرید و خلیفہ تھے اور اُنہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ عراقی فارسی زبان کے نہایت بلند پایہ شاعر تھے۔ صاحب دل تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں بے حد سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ عراقی حضرت شیخ زکریا کی وفات کے بعد دمشق چلے گئے تھے وہیں ۶۸۸ھ میں وفات پائی۔ آپکے صاحب زادہ بھی کچھ عرصے کے بعد دمشق اپنے والد کے پاس پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے وہیں [illegible]ھ میں وفات پائی۔ ان کی والدہ حضرت شیخ زکریا ہی کی زندگی میں وفات پا گئی تھیں۔

دختر دوم۔ سلطان بی بی المعروف بہ[1] فاطمہ بی بی زوجہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین قریشی منکاری۔

فرزندوں کی تعلیم و تربیت: ۔ اپنے وقت کے جید علماء و فضلاء کی زیر نگرانی کرائی تھی۔ جن میں مولانا نجم الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز والد گرامی نے پوچھا۔ آج کل کیا پڑھ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا تفسیر کشاف و ایجاز اور کتاب عمدہ۔ فرمایا۔ کشاف و ایجاز کو چھوڑ دو۔ اور عمدہ کا مطالعہ جاری رکھو۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ کشاف و ایجاز جار اللہ زمخشری کی تصانیف تھیں۔ اور وہ معتزلی تھا۔ علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تاریخ کے مقدمہ میں کشاف کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ یہ تفسیر معتزلہ کے عقائد کے مطابق ہے۔ اس کا مطالعہ صرف منتہی علماء ہی کو کرنا چاہیے۔ فرزندوں کے اساتذہ کو زر و سیم اور نادر تحائف سے نوازا کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کسی کو کوئی چیز دی جائے۔ تو عمدہ سے عمدہ دی جائے۔

خلفاء: ۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف المتوفی ۶۸۴ھ۔

(۲) حضرت شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی المتوفی ۶۸۸ھ۔

(۳) حضرت شیخ حسن افغان المتوفی ۶۸۹ھ۔

(۴) حضرت شیخ امیر حسینی المتوفی ۷۱۸ھ۔

---

[1] حضرت سلطان بہاؤ الدین شاہ حاکم کیچ مکران کے فرزند اور حضرت سید احمد توختہ ترمذی المتوفی ۶۶۲ھ جن کا مزار اندرون اکبری دروازہ لاہور محلہ چہل بی بیاں ہے کے نواسہ تھے۔ پہلے حاکم مکران تھے۔ پھر ترک علائق کر کے راہ سلوک اختیار کی۔ اور ارشاد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ اوچہ اور سکھر کے درمیانی علاقہ قصبہ مئو میں سکونت اختیار کر لی۔ تمام تذکرے اس پر متفق ہیں کہ سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ میں سب سے زیادہ طویل عمر آپ نے پائی۔ چنانچہ ۱۷۰ سال کی عمر میں بہ عہد سلطان محمد تغلق وفات پائی۔ حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ ولادت [illegible]ھ۔ وفات ۷۳۵ھ۔

(۵) حضرت شیخ سید عثمان لال شہباز قلندر المتوفی ۶۷۲ھ۔
(۶) حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین المتوفی ۷۳۵ھ۔
(۷) حضرت شیخ سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری اوچی المتوفی ۶۹۰ھ۔
یہ وہ آپ کے چند قابل ذکر نامور خلفاء ہیں جنہوں نے اپنے علمی کمالات اور روحانی فیوضات سے سرزمین پاک و ہند کو مالا مال کرکے کفر و ضلالت کو دور کیا۔ جن کا فیضان آج تک جاری ہے۔

(۲) حضرت مخدوم مولانا شیخ محمد[1] قریشی اسدی الہاشمی سہروردی ملتانی ثم لاہوری المعروف بہ میاں وڈا المفتی و مدرس لاہور

آپ اپنے زمانے کے جید علماء و فضلاء سے تھے۔ سلطان بہلول لودھی المتوفی ۸۹۴ھ نے آپ کو ملتان سے عہدۂ افتاء پر مامور کرکے لاہور بھیجا تھا۔ اور علاقہ ہیبت پور جو اب پٹی کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ معاش میں دیا تھا۔ آپ لاہور آکر محلہ علاؤل خاں لوہانی حال گذر حویلی میاں خاں اندرون موچی دروازہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ اپنی سکونت کے لیے حویلی تعمیر کی۔ ایک محلہ آباد کیا۔ جو صدیوں تک محلہ کوٹلی مفتیاں کے نام سے مشہور رہا۔

اجرائے فتوٰی کے ساتھ ساتھ آپ نے درس و تدریس اور اپنے آبائی سلسلۂ سہروردیہ کی ہدایت و تلقین بھی جاری رکھی۔ جس کا فیضان آج تک جاری ہے۔
طلبہ و مریدین کو قرآن و تفسیر و حدیث و فقہ و عقاید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور صحبت و بیعت کے ذریعے سے سیرت کی پختگی۔ کردار کی بلندی اور جذبۂ اخلاص و

---

[1] بن مخدوم شیخ صالح بن مخدوم شیخ ہدایت اللہ بن مخدوم شیخ فیض اللہ دچھوٹا) بن مخدوم شیخ جمعون۔ بن مخدوم شیخ قطب الدین بن مخدوم شیخ شہاب الدین محمد نور رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شیخ الاسلام مخدوم غوث بہاء الدین زکریا ملتانی قریشی اسدی الہاشمی سہروردی قدس سرہٗ۔

محبت پیدا کیا جاتا تھا۔ کیوں کہ اُس وقت جو تعلیمی نظام رائج تھا۔ اس میں انہی علوم کو اساسی درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی اپنی درس گاہ کو اسی نہج پر قائم کیا۔ اور تا دمِ زیست علوم دینیہ کی ترویج اور طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں مصروف رہے ۸۹۱ھ (تنقیحات) میں بعہد سلطان بہلول لودھی وفات پائی۔

(۴۲) حضرت مولانا مفتی شیخ کمال الدین مفتی مدرس لاہور

اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا مخدوم شیخ محمد المعروف بہ میاں وڈا کی وفات کے بعد عہدۂ افتا اور مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں پائی تھی۔ اپنے زمانے کے عالم متبحر اور فقیہ فاضل تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بھی اپنے پدر عالی قدر کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنی فضیلتِ علمی اور زہد و تقویٰ کے باعث بڑی عزت حاصل کی۔ سلطان سکندر لودھی جس طرح مولانا شیخ عبداللہ اور مولانا شیخ عزیزاللہ تلنبی کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اسی طرح آپ کا بھی بڑا احترام کرتا تھا۔ جب لاہور آتا تو اکثر حلقۂ درس میں شریک ہوتا۔ آپ نے ایک وسیع مسجد تعمیر کی۔ جو اب تک مسجد مفتیاں کے نام سے مشہور ہے۔ اور لاہور کی قدیم ترین مساجد سے ہے۔ مسجد کے ساتھ مدرسہ و کتب خانہ بھی قائم کیا۔ اور طلبا و مریدین کے رہنے کے لیے متعدد حجرے بنوائے۔ اور اپنے والد گرامی کی طرح درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کے ساتھ ساتھ عہدۂ افتار کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ بہ عہد سلطان ابراہیم لودھی ۹۲۸ھ (شرح احمد) میں وفات پائی۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت مولانا مفتی عبدالصمد جانشین ہوئے۔ آپ بڑے بلند پایہ عالم تھے۔ درس و تدریس کو بڑی رونق دی۔ ان کے بعد ان کے فرزند حضرت مولانا مفتی عنایت اللہ اور ان کے خلف ارشد حضرت مولانا قاضی مفتی محمد طاہر بہ عہد ہمایوں و اکبر لاہور کے جید علماء و فقہاء و صلحاء سے تھے۔ ان بزرگوں نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نہایت خاموشی و قناعت کے ساتھ خواص و عوام کی

علوم ظاہری و باطنی سے فیض یاب کیا۔ یہ دینی درس گاہ لاہور میں مغلیہ دور سے قریباً ۷۵ برس پہلے قائم ہو چکی تھی۔ حضرت[1] شیخ کالو چشتی حضرت شیخ عبد[2] الجلیل المعروف بہ قطب عالم سہروردی۔ شیخ موسیٰ[3] آہن گر سہروردی علماء و صلحاء میں سے آپ کے قابلِ ذکر معاصرین ہیں۔

---

[1] حضرت شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر قدس سرہٗ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ حضرت شیخ نورالدین قطب عالم لکھنوتی ۸۵۱ھ کے نامور خلیفہ تھے۔ آپ ہی کے حکم سے لاہور آکر قیام پذیر ہوئے تھے۔ شیخ پیر محمد لاہوری سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ مرجع خلائق تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں اکمل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت میں گذاری۔ آپ کے فرزندوں میں سے شیخ اسحاق صاحب علم و فضل بزرگ گذرے ہیں ۸۸۲ھ (واصل الا بنیاق) میں بہ عہد سلطان بہلول لودھی وفات پائی۔ مزار بیرون دہلی دروازہ ہے۔

[2] سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں قصبہ مو ریاست بہاول پور سے آکر لاہور میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے حضرت سلطان التارکین حمید الدین قریشی ہنکاری حاکم کیچ مکران سے جا کر ملتا ہے۔ اپنے والد ماجد حضرت شیخ ابوالفتح بن عبدالعزیز کے مرید و خلیفہ تھے علوم ظاہری و باطنی میں پایۂ بلند اور مقام ارجمند رکھتے تھے۔ سلطان بہلول لودھی۔ آپ کی فضیلت کا بڑا قائل تھا۔ اور آپ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا۔ بے حد عابد و زاہد اور مستغنی المزاج تھے۔ اپنی روزی غلہ پیس کر حاصل کرتے تھے۔ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے کسی مرید و ارادت مند کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ آپکی خانقاہ میں ہر وقت درسِ قرآن و حدیث رہتا تھا۔ سکندر لودھی کے زمانے میں وفات پائی سلطان اس وقت لاہور میں تھا غسلِ میت کے وقت حاضر ہوا۔ دو فرزند ابوالفتح ثانی اور شیخ بہاؤالدین اولادین سے تھے۔ ۹۱۰ھ "تاج عرفان امجد مجید" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ مزار قلعہ گوجر سنگھ متصل میکلوڈ روڈ واقع ہے۔

[3] پہلے شیخ شہر اللہ بن شیخ یوسف جو حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی کی اولاد سے تھے۔ ان کے مرید ہوئے۔ انکی وفات کے بعد حضرت شیخ عبدالجلیل قطب عالم چوہڑ بندگی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کی۔ ۹۲۵ھ میں وفات پائی۔ اپنی روزی لوہار کا کام کر کے کماتے تھے۔ "سلطانِ زمان موسیٰ ثانی" ۹۲۵ھ آپکی تاریخ وفات ہے۔ مزار مرشد کے روضہ کے قریب ہی ہے۔

(۴) حضرت مولانا قاضی مفتی محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ

بہ عہد ہمایوں و اکبر لاہور کے اکابر علماء و فقہاء سے تھے۔ آپ کا زمانہ بڑا پُر آشوب تھا۔ مگر آپ نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی سلسلۂ درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کو جاری رکھا۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں درسِ قرآن و حدیث و فقہ و تفسیر دیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۰۱۶ھ میں بہ عہد جہانگیر وفات پائی۔ سید عبد اللہ[۱] لاہوری آپ کے قابل قدر معاصرین سے ہیں۔

(۵) حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی عبد السلام مفتی و مدرس لاہور

حضرت مولانا قاضی مفتی محمد طاہر کے خلف ارشد تھے۔ انہی کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کے والد ماجد نے اپنی حین حیات میں ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۱۰۱۶ھ میں انہیں اپنا جانشین مقرر کر کے اپنی نیابت اور مسند ارشاد و ہدایت، مسجد مفتیاں کی امامت و خطابت و تولیت اور فتوٰی نویسی کے فرائض آپ کو تفویض کر دیئے تھے۔ آپ نے اپنے والد گرامی ہی کی زندگی میں فضیلتِ علمی میں شہرت و ناموری حاصل کر لی تھی۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم و فقیہ تھے۔ بڑے متدین، علوم دینیہ میں بے نظیر اور درس و تدریس میں اپنی مثال آپ تھے۔ علوم شرعیہ کے فاضل ہونے کی وجہ سے صاحب فتوٰی تھے۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں درسِ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر دیا کرتے تھے۔ حلقۂ درس بڑا وسیع تھا۔ مبتدی اور منتہی دونوں شریک درس ہو کر اخذ فیض کرتے تھے۔ اُس وقت لاہور میں بکثرت دینی مدارس تھے۔ جن میں اکابر علماء و فضلاء علوم اسلامیہ کا درس دیا کرتے تھے۔ مثلاً مدرسہ

---

[۱] سید عبد الخالق بھاکری کے فرزند تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور سلسلۂ قادریہ کے اکابر مشائخ تھے۔ تمام عمر درس فقہ و حدیث و تفسیر و قرآن میں مشغول رہے۔ جود و سخا میں بھی بے مثال تھے۔ کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا۔ سنہ ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی۔

ملا بایزید گیلانی۔ مدرسہ ملا یوسف۔ مدرسہ مولوی محمد سعید اعجاز۔ مدرسہ شیخ بہلول، مدرسہ ملا عبدالسلام وغیرہ۔

مگر اس وقت کے تعلیمی نظام کو سمجھنے کے لیے اور خاص کر وہ تعلیمی و دینی نظام جو اکبری عہد میں رائج کیا جا رہا تھا۔ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے۔ کہ تعلیمی نصاب میں لودھیوں ہی کے زمانے میں تبدیلی آچکی تھی۔ چنانچہ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں مولانا شیخ عبداللہ[1] تلنبی اور مولانا شیخ عزیز اللہ[2] ملتانی دہلی آئے۔ اور ان بزرگوں نے درس و تدریس کے معیار کو بلند کرنے کے لیے کتب درسی میں علم معقول وغیرہ کو رواج دیا۔ چنانچہ بدایونی لکھتے ہیں "ایں ہر دو عزیزاں ہنگام خرابیٔ ملتان آمدہ۔ علم معقول را دراں دیار رواج دادند و قبل از ایشاں غیر شرح شمسیہ، شرح صحائف اور علم منطق و کلام در ہند شایع نہ بود۔

انہوں نے قاضی عضد کی تصانیف، مطالع۔ مواقف۔ اور سکاکی کی مفتاح العلوم وغیرہ داخل نصاب کیں۔ اور اب معقولات، فلسفہ اور علم الکلام بھی پڑھایا جانے لگا۔ جس نے بڑھتے بڑھتے عہد اکبری میں یہ صورت اختیار کرلی۔ کہ اکثر علماء کی

---

[1] شیخ اللہ داد تلنبی (تلنبہ مضافات ملتان میں سے ایک قصبہ ہے) کے فرزند تھے۔ جید عالم اور علوم معقول و منقول میں یگانۂ روزگار تھے۔ سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑے بڑے افاضل زمانہ مثلاً مولانا مفتی جمال خاں دہلوی۔ میراں سید جلال بدایونی آپ کے حلقۂ درس سے فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔ بدیع المیزان شرح میزان منطق آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔

[2] صاحب ارشاد و ہدایت اور عالم متبحر تھے۔ سکندر لودھی کے زمانے میں ملتان سے آکر سنبھل میں اقامت گزیں ہوئے۔ حاتم سنبھلی جو علم الکلام اور عربیت و فقہ میں جید عالم تھے۔ آپ ہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ امان اللہ پانی پتی المتوفی ۹۵۵ھ جو صوفیائے موحدین میں سے گذرے ہیں۔ انکے رسالہ غیریہ کے مقابلے میں رسالہ عینیہ لکھا۔ دقیق سے دقیق مسئلہ فوراً حل کرلیتے تھے۔ ۹۷۵ھ میں وفات پائی۔

توجہ خالص علوم قرآن وحدیث سے ہٹ کر فلسفہ ومنطق اور علم الکلام کی طرف مائل ہوگئی ان حالات میں اکبری عہد میں ایران وتوران سے بعض فلسفی ومنطقی مثلاً حکیم الملک گیلانی امیر فتح اللہ شیرازی، قاضی ابوالمعالی۔ ملا عصام الدین وغیرہم وارد ہندوستان ہوئے یہاں ان کے ہم خیال شیخ مبارک[1] ناگوری اور ان کے دونوں بیٹے ابوالفضل[2] اور

---

[1] راجپوتانہ کے علاقہ ناگور میں ۹۱۱ھ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ پھر احمد آباد گجرات آیا۔ اور وہاں کے علماء وفضلاء سے اکتساب فیض کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد ۹۵۰ھ میں آگرہ آیا۔ اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ منطق، ریاضی، فلسفہ، نجوم، تفسیر وحدیث اور فقہ وادب میں پوری دسترس حاصل تھی۔ مگر اس علم وفضل کے باوجود آزاد خیال اور آزاد مشرب ہونے کے باعث کتاب وسنت کی حدود وقیود سے تجاوز کر گیا تھا۔ مذہب مہدویت سے بھی متہم تھا اس بے راہ روی کے باعث مخدوم الملک اور دیگر علمائے حق کے ساتھ نہ نبھ سکی۔ اسی وجہ سے کچھ عرصہ مصائب وآلام میں گرفتار رہا۔ آخر خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی سفارش سے اکبری دربار میں پہنچا۔ آہستہ آہستہ اکبر کے مزاج پر ایسا قابو پایا۔ کہ سیاہ سفید کا مالک بن گیا۔ پھر اس کے فرزند ابوالفضل اور فیضی بھی دربار میں پہنچ گئے۔ اور یہاں ان سب کی آزادئ طبع خوب رنگ لائی۔ تخریب اسلام میں پوری کوشش کی۔ اکبری دین الٰہی وضع کیا۔ اکبر کو امام عادل اور مجتہد العصر بنایا۔ علماء، فضلاء، اور صلحاء کی تحقیر میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ غرض ان اصحاب ثلاثہ اور ان کے ہم نواؤں نے مذہب اور اسلامی تہذیب وتمدن کو خوب بگاڑا۔ ہمارے روشن خیال فریب خوردہ مصنف لکھے جا رہے ہیں۔ کہ شیخ بڑا صوفی منش، زاہد وعابد۔ عالم وفاضل اور موحد تھا۔ اس کا دل تعصب سے پاک تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر بجا ودرست مگر اسلام کے لیے اس نے کیا کردار ادا کیا؟ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی۔

[2] شیخ مبارک ناگوری کا بڑا بیٹا تھا۔ ۹۵۸ھ میں اکبر آباد میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ ظاہری علم وفضل کے لحاظ سے واقعی ابوالفضل تھا۔ دربار اکبری سے علامی کا خطاب حاصل تھا۔ تخریب دین وتحقیر سنت اور علماء وصلحاء کی تذلیل میں باپ کا دست راست تھا (باقی بر ص ۳۵)

فیضی[1] پہلے ہی سے موجود تھے۔ اب علماء و حکما ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) اکبر نامہ اس کی مشہور تصنیف ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں بابر و ہمایوں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ دوسری جلد میں اکبر کے ۱۸ سنہ جلوس سے ۴۶ سنہ جلوس تک کے حالات تحریر کیے ہیں تیسری جلد آئین اکبری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جلد اکبری عہد کا مرقع ہے۔ دوسری جلد کے خاتمہ پر پنج ہزاری منصب ملا۔ اور پانچ ہزار روپیہ نقد انعام ملا۔ ابو الفضل چونکہ اکبر کی خلوت و جلوت کا رفیق و رازدار تھا۔ اس لیے یہ تاریخ معتبر سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ اس نے اکبر کی کمزوریوں اور غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ جن کو بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ۱۰۱۱ھ میں جہانگیر کے ایماء سے راجہ نرسنگھ دیو کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور اس کا سر کئی روز تک بیت الخلاء میں پڑا رہا۔ اکبر کو بڑا رنج ہوا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] (فیضی) شیخ مبارک ناگوری کا دوسرا بیٹا تھا۔ بدایونی اپنی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون شعر و معما۔ عروض و قافیہ۔ تاریخ و لغت اور طب و انشاء میں بے مثال تھا۔ گو جدت پسند تھا مگر ہزل گو اور متکبر و مغرور بھی تھا۔ نفاق۔ خباثت، ریاکاری۔ حب جاہ اور رعونت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اصول دین کی اہانت کرتا رہتا تھا۔ صحابہ کرام۔ متقدمین و متاخرین اہل علم اور مشائخ زندہ یا مرحوم ہر ایک کی مذمت و بے ادبی کرنے میں اسے باک نہیں تھا۔ ایسا بد عقیدہ تھا۔ کہ تمام حرام باتوں کو شریعت کی ضد میں حلال اور فرائض کو حرام سمجھتا تھا اس نے ایک بے نقط تفسیر لکھی تھی۔ وہ بھی اپنی بدنامی پر پردہ ڈالنے کے لیے۔ کم بخت نے تفسیر بھی مستی و ناپاکی کی حالت میں لکھی تھی۔ اور اس کے پالے ہوئے کتے مسودوں کو ناپاک کرتے رہتے تھے جس وقت اکبر اس کے آخری وقت پہنچا۔ تو اسے دیکھ کر کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ یہ بات خود بادشاہ نے اس کے دیوان پر لکھی ہے۔ مرنے وقت اس کا چہرہ سوج گیا تھا۔ اور ہونٹ سیاہ پڑ گئے تھے۔ اکبر نے ابو الفضل سے پوچھا اس کے لبوں پر اس قدر سیاہی کیوں ہے۔ کیا شیخ نے ہونٹوں پر مسی لگا رکھی ہے۔ ابو الفضل نے کہا یہ خون جم گیا ہے جو قے میں نکلا ہے۔ ایسے ناپاک بدبخت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ کرنے والے کا ایسا ہی حشر ہونا چاہیئے تھا۔ پورے چالیس سال شعر کہتا رہا۔ لیکن اس کے (باقی بر صفحہ ۳۶)

دربارِ اکبری مذہبی اور سیاسی سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا۔ خالص علوم دینیہ کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ علماء اگر اس طرف رجوع بھی کرتے۔ تو محض اس غرض کے لیے کہ اپنی خواہشوں کے مطابق اُن کی تفسیر کریں۔ اور جو کچھ وہ کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔ اُس کا جواز قرآن و حدیث سے نکالیں۔ اب اسی رنگ میں تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ اور اسی انداز میں قرآن و حدیث کو معانی پہنانے لگے۔ جن مدارس میں درباری علماء کا زیادہ اثر و رسوخ تھا ان میں اسی قسم کا سلسلہ درس و تدریس جاری ہو گیا۔ حتیٰ کہ دربارِ شاہی میں بھی اسلامی آداب اور اسلامی علوم و فنون کی کوئی قدر و حیثیت نہ رہی۔ ۹۹۷ھ میں شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں اور ان کے حاشیہ نشینوں نے ایک اور نیا فتنہ جگایا۔ یعنی اکبر کو خلیفۃ اللہ، ظل اللہ اور مجتہد العصر بنا دیا۔ اور درباری علماء کو بلا کر اس کی تصدیق میں دستخط کرا لیے۔ بعض علماء نے اپنی ذاتی مصلحتوں کے پیش نظر اور بعض نے طوعاً و کرہاً دستخط کر دیئے۔ جنھوں نے انکار کیا اُن کی وجہ معاش کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ اور وظائف بند کر دیئے گئے۔ مسجدیں ویران اور دینی مدارس بند ہو گئے۔ کتاب و سنت کو پس پشت ڈال کر اکبری دینِ الٰہی کو ترویج دینے کی کوشش کی جانے لگی۔ اس وقت ہندوستان میں مذہب عجیب کس مپرسی کے عالم میں تھا۔ مخدوم الملک شیخ عبداللہ[1] انصاری سلطان پوری جو شیر شاہ سوری اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) سب شعر بے مزہ ہیں۔ مہمل باتوں کے بیان کرنے فخر و شان دکھانے اور کفر بکنے میں سب سے آگے تھا۔ اس کے کلام میں نہ ذوقِ عشق ہے نہ معرفت نہ لذت۔ اس کے شعر نے کسی کی افسردہ دلی کو دور نہیں کیا۔ پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران جلد چہارم میں اور علامہ شبلی نے شعر العجم جلد سوم میں اس کے مذہبی افکار و معتقدات سے قطع نظر کر کے اس کے علمی فضل و کمال اور اس کے شعر و ادب کی بڑی تعریف کی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] عبداللہ سلطان پوری نام مخدوم الملک کے خطاب سے مشہور تھے۔ مضافات لاہور میں سلطان پور کے انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ تمام علوم و فنون میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ خاص کر علم فقہ و عربی لسانیات میں بے نظیر تھے۔ فقہ، تاریخ (باقی بر صفحہ ۳۷)

اُن کے بیٹے سلیم سے تاوقت اکبر صاحب رسوخ واثر چلے آرہے تھے۔ اور اپنے وقت کے اکابر علماء و فضلاء میں سے شمار ہوتے تھے۔ جب انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تو ان کے اس احتجاج کو اس جماعت نے محض اپنے حصول اقتدار اور سیاسی اغراض و مقاصد کے پیش نظر بزور دبا دیا۔ کیوں کہ اس سے قبل یہ طائفہ مخدوم الملک کے ہاتھوں اپنی اسی قسم کی بے اعتدالیوں کے باعث مصائب اٹھا چکا تھا۔ اب انہیں بدلہ لینے کا بہترین موقع حاصل تھا۔ اس گروہ نے ان کی خون ریزیوں، بداخلاقیوں، بداعمالیوں اور حب مال و جاہ کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ ممکن بلکہ قرین قیاس ہے۔ کہ مخدوم الملک کی یہ کمزوریاں اور خامیاں اس تصادم میں بہ حد افراط پہنچ گئی ہوں۔ جن میں سے بعض کی تاویل وحمایت بھی نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں شیخ عبدالنبی صدر الصدور کے

(بقیہ صفحہ ۴۶) اور دوسرے موضوعات پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ جن میں عصمۃ الانبیاء۔ شرح شمائل النبی زیادہ مشہور رہیں۔ ہمایوں نے ابتدائی دور میں شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ عمر بھر رفع بدعت و الحاد میں کوشاں رہے۔ اس فضل و کمال کے ساتھ حب مال و جاہ بھی بے حد تھی۔ جتنے بڑے عالم تھے۔ اُتنے ہی حریص و دولت مند تھے۔ اکبر کے زمانے میں دیوان خانہ شاہی کی وکالت پر فائز تھے۔ جب دین اکبری کے معاملے میں شیخ مبارک۔ ابوالفضل اور فیضی کی سازشوں سے اکبر سے بگڑی۔ تو پھر مکہ معظمہ بھیج دیئے گئے۔ مگر وہاں بھی استقلال کے ساتھ نہ رہ سکے۔ کچھ عرصہ کے بعد واپس آگئے۔ ابھی گجرات میں آکر قیام ہی کیا تھا۔ کہ اکبر کے حکم سے ۹۹۰ھ میں زہر دے کر مروا دیئے گئے۔ گھر سے تین کروڑ کا خزانہ نکلا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) آپ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے بیٹے تھے۔ تحصیل علوم رسمیہ کے بعد زیارت حرمین کے لیے گئے۔ مکہ معظمہ میں بعض فقہاء سے علم حدیث حاصل کیا۔ ہندوستان واپس آکر محدثین کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کیا۔ تقویٰ و پاک بازی اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ اکبر نے صدر الصدور بنا دیا۔ حدیث سننے کے لیے خود ان کے گھر جاتا۔ اور جوتیاں سیدھی کرتا۔

(باقی بر صفحہ ۴۸)

جد امجد شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے سوانح کے ضمن میں مخدوم الملک اور صدر الصدور کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کسی طرح نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ ان دونوں کی

(بقیہ حاشیہ صہ۳۷) اکبری دربار جب مذہبی و سیاسی چالبازیوں کا اکھاڑہ بنا۔ تو ان کی عظمت کو بھی زوال آگیا۔ شیخ مبارک نے جب اکبر کے اجتہاد اور تمام مجتہدوں پر اس کی افضلیت کے متعلق محضر تیار کیا۔ تو انہیں اور مخدوم الملک کو زبردستی پکڑ کر لایا گیا۔ اور ان سے بجبر و اکراہ محضر پر دستخط کرا لیے گئے۔ نیز ان دونوں کے زوال کا باعث ان کے آپس میں اختلافی و نزاعی مسائل بھی تھے۔ اکبر نے انہیں بھی حجاز بھیج دیا۔ مگر وہاں بھی ان دونوں کی باہمی کدورت نہ گئی۔ مخدوم الملک کی طرح یہ بھی وہاں قیام نہ کر سکے۔ ہندوستان واپس آ گئے۔ اکبر نے قید کر دیا۔ اسی حالت میں بڑی ذلت کے ساتھ ۹۹۱ھ میں وفات پائی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لے بعض اصحاب کا خیال ہے۔ کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور کی نسبت ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اُن کی نکتہ چین طبیعت اور معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہے۔ در حقیقت ایسا نہیں۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں دونوں حضرات کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے پوری تصدیق ہوتی ہے۔ کہ بدایونی نے غلط نہیں لکھا صرف فرق اسلوب بیان کا ہے۔ ملا بدایونی بے پردہ و بے باکانہ لکھتا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب بڑے حزم و احتیاط سے اصلیت کو آشکارا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"شیخ عبدالقدوس را اولاد بسیار شد۔ و پسران او ہمہ عالم و متعبد و متلبس بلباس مشائخ۔ و از میان ایشاں شیخ رکن الدین مردے متبرک بود۔ بمشرب فقر و محبت موصوف۔ بر قدم والد خود قدم مے نہاد۔ از ابناء او شیخ عبدالنبی بود۔ گو تحصیل بعضے علوم رسمی نمودہ بود۔ در جوانی متوجہ زیارت حرمین شد و پیش بعضے از فقہائے مکہ معظمہ برخے از حدیث نبوی برخواند۔ بعد ازاں بوطن اصلی عود کرد۔ و بہ تزہد و تعشق منسوب۔ با پدر و اعمام بہ جہت مسئلہ توحید و سماع در افتاد۔ پدر را در باب اباحت سماع رسالہ نوشتہ و او نیز در باب آں رسالہ در انکار سماع ساختہ لاجرم باعث ایذا و کلفت بسیار شد و ایں باعث شہرت او گشت۔ بادشاہ وقت درآں زماں صدرے مے خواست

(باقی بر صہ۳۹)

آپس میں بحث و نزاع اور حبِ مال و جاہ تو رہی ایک طرف۔ جس کا نتیجہ خود انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا۔ مگر دینِ اکبری کو ترویج دینے والے۔ لاالہ اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کہنے والے۔ اسلام کے مسنون طریقۂ سلام کو ترک کر کے اللہ اکبر کہنے والوں نے دینِ اسلام کی کونسی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اگر مخدوم الملک اور صدر الصدور دین کے منہاج اور اُس کی اصلی روح کو نہ سمجھ سکے۔ تو اس طائفہ کی مذہبی بے قاعدگیوں اور بدعنوانیوں نے دین میں کونسی نئی روح پھونک دی تھی۔ اگر وہ اپنی افراط و تفریط میں جادۂ حق و صداقت سے ہٹ گئے تھے۔ تو انہوں نے کونسی صراطِ مستقیم اختیار کر لی تھی۔ اُن کے تعصب و

(بقیہ حاشیہ صـ۳۸) کہ بصفت علم و دیانت موصوف باشد۔ بتوسط بعضے اسباب و وسائل در سنہ بر مسندِ صدارت نشست۔ زیادہ ازاں چہ استحقاق داشت۔ منصب عزت و صدارت یافت۔ و دریں امر کوسِ استقلال واستبداد زد۔ و از مال و جاہ اعتبار زیادہ ازاں چہ گفتہ شود نصیب او شد۔ بادشاہ وقت را بوے اعتقادِ عظیم پیدا شد۔ و مردم بسببِ آں در نظرِ اعتبارش بحقارت در آمدند۔ باشراف و اہلِ نسل کمتر از مراتبِ ایشاں سلوک نمود۔ و ہر کہ بمزاج او راست نہ شد بہ معیارِ قبول او تمام نیاید۔ محروم ماند۔ بعد از مرورِ سنین و شہور مزاج سلطنت بسبب بعضے حوادث بادے منحرف شد۔ و از منصبِ صدارت معزول گشت۔ وکان ذلک فی سنہ ۹۸۶ھ و ادرا و ملا نا عبداللہ سلطان پوری را کہ دانش مند و مقدم و رئیس و از زمانِ افغاناں تا ایں زمان معتبر و معزز و ملقب بہ مخدوم الملک۔ و بحزم و متانتِ رائے و تجاربِ امور و جمیع احوال موصوف بود۔ بمکہ فرستاد۔ و ہر دو را کہ مدتہا باہم متنازع و مختلف بودند۔ بصورتِ رفیق یک دیگر ساختہ۔ بجانب بلدۂ شریف روان کردند۔ و باوجود آں ہرگز میانِ ایشاں در اثنائے طریق و در آں مقاماتِ شریفہ اتفاق و التیام و رفعِ کدورت صورت نہ بست۔ آخر بے صبری نمودہ از مکہ معظمہ بہ دیارِ ہند رجوع نمودند۔ فائدہ نکرد۔ مخدوم الملک در دیارِ گجرات فوت کرد۔ و شیخ عبد النبی باز بہ حضرت بادشاہ آمد۔ مدتے مدید در بندی ... محبوس بود۔ در برابر آں ہمہ عزت و جاہ و اعتبار کہ داشت۔ ذلت و حقارت و بے اعتنائی دید۔ و اہانت و خواری کشید۔ و در حبس فوت کرد۔"

تقلید نے مذہب کو اتنا نہیں بگاڑا۔ جتنا ان کے الحاد اور بے قید اجتہاد نے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ ان کے طریق کار نے دشمنوں اور غیر صالح عناصر کو سر اٹھانے کی شہ دی۔ ان کے اقتدار سے قبل سید محمد مہدی[1] جونپوری اور ان کے معتقدین شیخ عبداللہ[2] نیازی

---

[1] جون پور کے رہنے والے تھے۔ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام یوسف تھا۔ ایک مجذوب دانیال کے مرید تھے۔ حالت جذب و سکر میں انا مہدی کا نعرہ لگایا۔ جب ہوش میں آئے۔ تو دعویٰ مہدویت سے توبہ کر لی۔ اور مہدی موعود کے آنے کا اقرار کیا۔ لیکن معتقدین اور جہلا نے انہیں مہدی موعود بنا دیا۔ اور ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا۔ بعض کا کہنا ہے۔ کہ انہوں نے اگرچہ اپنے آپ کو مہدی کہا ہے مگر اس سے مہدی موعود مراد نہیں تھا۔ بلکہ ہادی و راہ نما۔ انہوں نے اصلاحی تحریک بھی شروع کی کیوں کہ اس وقت ہندوستان میں سخت بد امنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی حکومت احکام شرع کے اجرا و قیام کی ذمہ دار نہ ہوتی تھی۔ علمائے حق کم اور علمائے دنیا اور جاہل صوفیا زیادہ تھے آپ نے احیاء شریعت کا نعرہ بلند کیا۔ ان کے اشد شدید مخالف بھی معترف ہیں۔ کہ علوم رسمیہ کے ساتھ زہد و درویشی اور ورع و تقویٰ میں لاجواب تھے۔ اصلاحی سلسلے میں ارباب اقتدار سے ٹکر بھی لی۔ جب مخالفت کا بس نہ چلا تو گجرات چلے گئے۔ لیکن علما نے یہاں بھی مخالفت کی۔ یہاں سے حجاز کا رخ کیا۔ وہاں سے ایران پہنچے۔ سلطان اسماعیل صفوی کا زمانہ تھا۔ اس نے بھی وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا۔ ابھی راستے ہی میں تھے۔ کہ فراہ کے مقام پر ۹۱۰ھ میں وفات پا گئے۔

[2] پہلے شیخ سلیم چشتی کے مرید تھے۔ مرشد سے اجازت لے کر حج کو گئے۔ وہاں بڑی ریاضتیں کیں۔ حرمین میں ہی سید محمد مہدی جونپوری سے ملاقات ہوئی۔ معتقد ہو کر مہدوی مذہب قبول کر لیا۔ اور ہندوستان واپس آکر بمقام بیانہ آباد ہو گئے۔ اپنے زہد و تقدس اور وعظ و نصیحت کے باعث بڑی جلدی ہی شہرت حاصل کر لی۔ اسی زمانے میں سلیم شاہ آگرہ سے پنجاب کی طرف آرہا تھا۔ جب بیانہ کے قریب پہنچا۔ تو مخدوم الملک نے بادشاہ سے کہا کہ شیخ علائی کے فتنے سے تو نجات مل گئی ہے۔ مگر سب سے بڑا فتنہ شیخ عبداللہ نیازی کا ہے۔ جو علائی کا مرشد اور رسالے نیازی پٹھانوں کا سردار ہے (باقی بر صفحہ)

...ر شیخ علائیؒ نے طریقۂ مہدویت کو فروغ دینا چاہا۔ اور مخدوم الملک نے دبانا چاہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) اور ہمیشہ دو تین سو مسلح آدمیوں سے بیانہ کے پہاڑوں میں من مانی کاروائی کرتا رہتا ہے۔ سلیم شاہ نے حاکم بیانہ کو لکھا۔ کہ شیخ عبداللہ نیازی کو فوراً حاضر کرو۔ حاکم بیانہ شیخ کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے شیخ کو یہاں سے کسی اور طرف نکل جانے کے لیے کہا۔ مگر شیخ نے نہ مانا اور لشکر شاہی میں پہنچ کر نہایت آزادی و بے باکی کے ساتھ بادشاہ کو سلام کیا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک سے پوچھا۔ علائی کا مرشد یہی ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا انھوں نے لکڑیوں اور کوڑوں سے شیخ کو مارنا شروع کیا۔ جب یہ سمجھا کہ دم نکل گیا ہوگا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ مگر شیخ میں ابھی جان باقی تھی۔ لوگوں نے اسی وقت چمڑے میں لپیٹ کر ایک دن رات آگ کی گرمی کے پاس رکھا۔ اس تکورسے اُن کے ہوش و حواس درست ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بیانہ کو چھوڑ کر سیاحت اختیار کی۔ پہلے افغانستان پہنچے۔ کچھ دیر یہاں قیام کیا۔ پھر پٹن اور گجرات کی سرحد میں مقیم ہو گئے۔ آخر میں سرہند آ رہے تھے۔ اور مہدوی مسلک سے توبہ کر لی تھی۔ اور اس عقیدے سے تمام مہدیوں کو باز رہنے کی تلقین کی تھی۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۰ھ میں وفات پائی۔

لہ والد کا نام حسن تھا۔ ان کے دادا شیخ طاہر ملتان سے بہار آئے۔ اور یہاں شیخ بڈھ سے علم حاصل کیا۔ ان کے باپ بھی یہیں پیدا ہوئے۔ بنگال کے مشائخ سے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی نصراللہ بڑے صاحب علم و فضل تھے۔ زیارت کعبہ کو گئے۔ وہاں سے لوٹ کر آئے۔ تو بیانہ میں مقیم ہو گئے۔ یہاں ان کے بڑے بھائی پیری مریدی کرتے تھے۔ شیخ حسن کی اولاد میں سے شیخ علائی نے اوائل عمر ہی سے تکمیل علوم کر لی تھی۔ باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہو گئے تھے۔ بھائی بھی ان کے فضل و کمال کی وجہ سے ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ ابتدا میں مشیخت کا بڑا غرور اور پاس و لحاظ تھا۔ مگر شیخ عبداللہ نیازی کا مسلک دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے۔ اور ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر مہدوی مذہب کے پرزور داعی ہو گئے۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک کے کہنے پر شیخ علائی کو دربار میں بلایا اور علماء کو جمع کیا۔ مہدویت پر بڑا مباحثہ ہوا (باقی برصفحہ ۴۲)

اور طاقت کا بھی استعمال کیا۔ اُس زمانے کے دیگر علماء و مشائخ نے بھی سید محمد مہدی کے دعوائے مہدویت کے ردو قبول میں بہت کچھ لکھا۔ مگر یہ تحریک کسی نہ کسی صورت میں چلتی رہی۔ مولانا شیخ جمال الدین[۱] معروف بہ شیخ بہلول دہلوی گو سید محمد مہدی کے دعوائے مہدویت کے قائل نہ تھے۔ مگر اُن کی ولایت کے ضرور معترف تھے۔ اسی طرح حضرت شیخ داؤد[۲] کرمانی چونی وال کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ انہیں سید محمد مہدی جونپوری کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱) جس میں میر سید رفیع الدین محدث، میاں ابوالفتح تھانیسری۔ اور مخدوم الملک بھی شامل تھے۔ بادشاہ اس معاملہ کو ٹالنا چاہتا تھا۔ مگر شیخ علائی اس ادعا سے باز نہیں آتے تھے۔ مخدوم الملک کہتے تھے۔ دعوائے مہدویت کرتا ہے۔ واجب القتل ہے۔ حالانکہ انہوں نے خود دعوائے مہدویت نہیں کیا تھا۔ آخر اس روز عیلیٰ خاں کی سفارش سے معاملہ رفع دفع ہوا مگر بادشاہ نے انہیں دکن چلے جانے کے لیے کہا۔ وہاں بھی ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا یہی عالم رہا بلکہ اعظم ہمایوں شروانی وہاں کا حاکم ان کا معتقد ہو گیا۔ اور ایک خلق عظیم ان کی گرویدہ ہو گئی ۹۵۷ھ میں انہیں پھر دربار میں طلب کیا گیا۔ اور عقیدہ مہدویت سے توبہ کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس مرتبہ بادشاہ نے شیخ علائی کو اپنے پاس بلایا۔ اور کہا کہ تم میرے کان میں عقیدۂ مہدویت سے توبہ کر لو۔ پھر جہاں جی چاہے رہو۔ مگر شیخ نے اس دفعہ بھی بادشاہ کے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اس پر اُس نے اپنے سامنے کوڑے لگوائے۔ شیخ بیمار و کمزور تھے۔ تیسرے ہی کوڑے پر روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ لاش کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر فوج میں تشہیر کی گئی۔ اور حکم دیا گیا۔ کہ دفن نہ کیے جائیں۔

[۱] دہلی کے رہنے والے تھے۔ مشاہیر علماء اور اصحاب سلوک و طریقت سے تھے۔ سلوک و طریقت کی تکمیل حضرت شیخ داؤد جہنی وال کی خدمت میں رہ کر کی تھی۔ اور علوم متداولہ میں سید رفیع الدین محدث شیرازی کے شاگرد تھے۔ جو نویں صد ہجری کے اعظم محدثین سے تھے۔ ان کا سلسلۂ تلمذ یک واسطہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی تک پہنچتا ہے۔

[۲] آپ کے والد عرب سے ہندوستان آکر پہلے سیت پور جسے اب پٹی کہتے ہیں آباد ہوئے۔ بعد ازاں قصبہ چونی وال جو لاہور کے مضافات میں سے تھا۔ اقامت پذیر ہو گئے۔ یہاں شیخ داؤد اپنے والد کی

(باقی بر ص ۴۳)

متعلق منکشف ہوا تھا۔ کہ اُن کی ولایت برحق ہے۔ اور جو علماء اُن کی تکفیر کر رہے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ حالانکہ اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں درج ہے۔ کہ شیخ داؤد طریقۂ مہدویہ کو طریقۂ باطلہ سمجھتے تھے۔ بعض علماء و مشائخ نے سید محمد مہدی جونپوری کے دعوائے مہدویت کے رد و قبول میں بین بین طریقہ اختیار کیا۔ اور اُن کے احوال و مقامات کو جذب و سکر قرار دے کر خاموش ہو گئے۔ مگر اصل معاملہ جوں کا توں رہا

(بقیہ حاشیہ صـ۴۲) وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر مولانا اسمٰعیل جو مولانا عبدالرحمٰن جامی کے شاگردوں سے تھے۔ علوم ظاہری سے مستفیض ہوئے۔ پھر مخدوم شیخ حامد الحسنی الجیلانی اوچی کے مرید ہوئے۔ اور تکمیل سلوک و طریقت کے بعد خرقۂ خلافت پایا۔ صاحب حال صحیح و کشفِ صریح تھے۔ راہِ سلوک میں بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا تھا۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی اہل عرفان ۹۸۲ھ آپ کا سالِ وفات ہے۔ مخدوم الملک جس زمانے میں بعض اکابر علماء و صلحاء کے درپے آزار تھے۔ ان کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ سلیم شاہ کا فرمان بھجوا کر طلب کرایا۔ آپ دو خادموں کو لے کر روانہ ہوئے۔ گوالیار سے باہر ملاقات ہوئی۔ مخدوم الملک شیخ کو دیکھ کر اور اُن کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوئے۔ اور عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ دوران گفتگو میں شیخ نے مخدوم الملک سے اپنی طلبی کا سبب پوچھا۔ مخدوم الملک نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔ کہ وقتِ ذکر آپ کے مرید یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا شاید یہ اشتباہ سماع ہے۔ وہ یا ودود یا ودود کہتے ہونگے۔ صاحب اخبار الاخیار حضرت سید برہان الدین قطب عالم نبیرۂ حضرت سید مخدوم جلال الدین مخدوم جہانیاں کی زبانی تحریر کرتے ہیں۔ کہ حضرت قطب عالم فرماتے ہیں۔ کہ جب میں شیخ داؤد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ کے طریقۂ وعظ و نصیحت کے غلبہ کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ شاید شیخ طریقۂ مہدویہ کے پیرو ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ نے فرمایا "مہدویہ طریقۂ ضالہ و مبطلہ ہے۔ اُن کی روش بطریق متعارف بہ سند صحیح حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت نہیں"۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ مسئلہ مہدویت موقوف علیہ ایمان و اسلام نہیں ہے۔ تعیین علامت مہدی میں سخت اختلاف واقع ہوا ہے۔ اموی و عباسی خانہ جنگی سے لے کر آج تک یہ عقیدہ سیاسی و جماعتی تغلب کیلئے استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ اپنے اصولِ مقاصد کے لیے کئی فرقوں کے تعینِ ذات مہدی کے لیے حدیثیں وضع بھی کیں۔

شیخ مبارک بھی آزاد خیال اور آزاد مشرب ہونے کے باعث طریقۂ مہدیت کے موید تھے۔
پھر اس کے مقابلے میں شیعت بھی کسی نہ کسی طریقے سے فروغ پا رہی تھی۔ اور اُس کا بڑا
سبب یہ تھا۔ کہ ۹۵۰ھ میں جب ہمایوں شیر شاہ افغان سوری سے شکست کھا کر ایران گیا اور
وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شاہ طہماسپ صفوی کی امداد سے دوبارہ سلطنت حاصل
کی۔ تو رخصت کے وقت شاہ طہماسپ نے ہمایوں سے وعدہ لیا تھا۔ کہ ہندوستان میں
تبلیغ شیعت پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ بلکہ خود ہمایوں پر قیام ایران میں شیعت قبول کرنے
کے متعلق بڑا زور ڈالا گیا۔ اگر اُس کی ہمشیرہ سلطانم خانم وزیر سلطنت قاضی جہاں اور طبیب
شاہی نورالدین کا قدم درمیان میں نہ ہوتا۔ تو شاید ہمایوں ایران ہی سے شیعت قبول کر کے
آتا۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں۔ اسے شیعہ مذہب قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس مسئلہ پر ہمایوں
سے بڑے مباحثے ہوئے۔ آخر ہمایوں نے کہا۔ اپنے سارے عقائد ایک کاغذ پر لکھ کر لاؤ۔ جب
بادشاہ کے آدمی وہ لکھ کر لائے۔ تو ہمایوں نے اُس کاغذ کے مضمون کو پڑھا۔ اور خطبہ میں شیعوں
کے مسلک کے مطابق بارہ اماموں کے نام بھی دُہرا دیئے۔ جہانگیر کے عہد میں نورجہاں کے اثر و
رسوخ سے شیعہ علماء و شعراء کثرت سے ہندوستان آئے۔ تو شیعت اور ایرانی تہذیب و تمدن
کو زیادہ فروغ دیا۔ اگرچہ اس کی ابتداء ہمایوں و اکبر کے عہد ہی سے شروع ہو چکی تھی۔ مخدوم الملک
اور دیگر علمائے ہند کو فتنۂ مہدویت و شیعت کے ساتھ شیخ مبارک اور اُس کے بیٹوں کی بے راہ
روی اور تصوف کے اُن غیر صالح اور غیر اسلامی تصورات و نظریات کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔
جو بحیثیت عقیدہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ اور شیخ حسین اور[1] شیخ مادھو ایسے آزاد مشرب

---

[1] شیخ بہلول دریائی المتوفی ۹۸۳ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ سرخ لباس پہنتے تھے۔ اس لیے لال حسین مشہور
ہوئے۔ ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا۔ اور فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ حسین
کا باپ عثمان نامی دین دار آدمی تھا۔ بافندگی پیشہ تھا۔ شیخ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے
ہوئے۔ تو لاہور کے ایک فاضل حافظ ابوبکر کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔
چھ سات پارے حفظ بھی کر لیے تھے۔ کچھ دینیات میں بھی استعداد بہم پہنچائی۔ اس دوران میں طبیعت دباتی بڑھتی؟

اور بے شرع لوگ پیدا ہو کر دین کی تضحیک کا سبب بن رہے تھے۔ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی قدس سرہ کا احتجاج انہی غیر اسلامی تصورات اور تصوف کے اسی مقام سکر اور ہمہ اوست کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) سلوک کی طرف مائل ہوئی۔ شیخ بہلول دریائی کے مرید ہوئے۔ مدت تک ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار پر کچھ عرصہ معتکف بھی رہے آخر میں آزاد مشرب ہو کر طریقہ ملامیتہ اختیار کر لیا۔ شرعی حدود و قیود کو توڑ ڈالا۔ علانیہ شراب پیتے گانا سنتے۔ طوائفیں ان کی مجلس میں آکر رقص و سرود سے محفل کو گرماتیں۔ داڑھی مونچھ منڈواتے تھے۔ ان کے مرید و خلیفہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جب تک کوئی شخص داڑھی مونچھ کا صفایا نہ کرا دیتا۔ ان کا مرید نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنے مرید کو اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ دیتے۔ اگر وہ پی لیتا۔ تو مریدوں میں شامل سمجھا جاتا۔ نہیں تو مجلس سے باہر نکال دیا جاتا۔ غرض ان کا ہر عمل قرآن و سنت کے خلاف تھا۔ مگر باایں ہمہ صاحب کرامت سمجھے جاتے تھے۔ ان بدعتوں اور خلاف شریعت باتوں کے باوجود دارا شکوہ نے اپنی کتاب حسنات العارفین میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور ایک دو کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ جہانگیر اور حرم سرائے اکبری کی اکثر بیگمات شیخ کی عقیدت مند تھیں۔ رسالہ بہاریہ اور حقیقت الفقراء شیخ حسین کی سوانح حیات کے قدیم ماخذ ہیں۔ رسالہ بہاریہ اکبر کے عہد میں لکھا گیا تھا۔ اس کا مصنف ملنی بہار خاں ہے۔ جسے جہانگیر نے شیخ حسین کے روزنامچہ لکھنے پر مقرر کیا تھا۔ حقیقت الفقراء شیخ مادھو کے ایک مرید پیر محمد نے شاہ جہان کے عہد میں نظم میں لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں آج کل نہیں ملتیں۔ مگر ان کتابوں کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محض تقلیدی اور اعتقادی رنگ کی کتابیں تھیں۔ دارا شکوہ نے حسنات العارفین میں شیخ حسین کو ملامتیہ گروہ کا سردار لکھا ہے۔ تضحیک کتاب و سنت اگر عرفان و حقیقت شناسی ہے۔ تو پھر واقعی ان افعال پر جتنی ملامت کی جائے کم ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت کا مقصود تزکیہ ظاہر و باطن ہے۔ اور ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کا اتباع کتاب و سنت ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ کرتی ہے ٹکسال باہر ہے۔ شیخ حسین پنجابی پراکرت کے شاعر بھی تھے۔ ان کا کلام شاہ حسین کی کافیاں کے نام سے مشہور ہے ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔ ان کے خلفاء میں سے شیخ مادھو زیادہ مشہور ہیں۔ یہ قوم کے برہمن تھے۔ شاہدرہ میں رہتے تھے۔ حسین و جمیل تھے۔ اور شیخ حسین کے منظور نظر تھے۔ اور انہیں کی رغبت و محبت سے مسلمان ہوئے تھے شیخ کی وفات کے بعد یہی ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

خلاف تھا۔ جس نے اسلامی معتقدات اور تہذیب و تمدن پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اگر مخدوم الملک اور ان کے ہم نوا مخالف گروہ کے قول کے مطابق اپنے تعصب و تشدد اور افراط و تفریط کے باعث اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہ دے سکے۔ تو یہ مد مقابل گروہ بھی اپنے فکری اجتہاد اور حکمت و دانش کے پردے میں الحاد و زندقہ ہی کو فروغ دیتا رہا۔ اگر اس وقت کے تمام حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے۔ اور تمام اسباب و علل پر روشنی ڈالی جائے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ مسلمانوں کا مذہبی و سیاسی زوال اکبر ہی کے عہد سے شروع ہو گیا تھا۔ اکبری تعلیمات کا بہترین ثمر شاہ جہان کا آزاد خیال بیٹا دارا[1] شکوہ تھا۔ جس کے متعلق علامہ اقبال

---

[1] شاہ جہان کا فرزند اکبر تھا۔ بہترین اساتذۂ وقت سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ باکمال شاعر۔ اعلےٰ درجے کا انشا پرداز اور مشاق خطاط تھا۔ ملا شاہ بدخشانی قادری کا مرید تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے مذہبی رجحانات اور معتقدات کی افراط و تفریط اور سیاسی مصلحتیں اس کے قتل کا سبب ہوئیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کی شخصیت کو تا حال مؤرخین نے پوری غیر جانب داری کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ سیاسی مصلحتیں تو خیر اورنگ زیب عالم گیر جانتا ہوگا۔ ملوکیت میں اکثر ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ حصولِ اقتدار کے سامنے باپ بیٹا، چچا، بھائی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مگر یہ عجیب بات ہے۔ کہ نظریۂ ہمہ اوست۔ جو عقیدۂ جبر کی حسین و جمیل تاویل و تفسیر ہے۔ اس کے قتل کا موجب بنے۔ یہی چیز اگر شیخ محی الدین ابن العربی بیان کریں۔ تو امام موحدان بن جائیں۔ حضرت شیخ محمد میاں میر اور ملا شاہ بدخشانی اور دیگر ایسے بزرگ کہیں۔ تو عرفان و حقیقت ہو جائے۔ دارا شکوہ کہے۔ تو اس میں ارتداد نظر آنے لگے۔ این چہ بوالعجبیست۔

شیخ اکرام اپنی کتاب رودِ کوثر میں نظریۂ ہمہ اوست اور نظریۂ ہمہ از اوست کا مقابلہ کرتے ہوئے دارا کے قتل کا باعث عقیدۂ ہمہ اوست ہی قرار دیتے ہیں۔ اگر واقعی یہ حقیقت ہے۔ تو پھر اس کوچے میں صرف قابلِ گردن زدنی دارا شکوہ ہی نہیں ہے۔ سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء۔ حسنات العارفین۔ مجمع البحرین، رسالہ حق نما، رسالۂ معارف۔ دیوان اکسیر اعظم۔ اس کی مشہور تصانیف ہیں۔ یہ سیاسی مجرم اور موحد ۱۰۶۹ھ میں قتل ہوا۔

فرماتے ہیں ؎

نخم الحادے کہ اکبر پرورید　　　باز اندر فطرتِ دارا دمید

جس کی رہی سہی کمی تصوف کے نظریۂ ہمہ اوست۔ اور ملا شاہ[1] بدخشانی کی صحبت نے پوری کردی تھی۔ ملاجی بڑے فخریہ لہجے میں کہتے ہیں ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم　　　من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

داراشکوہ ابتدا ہی سے اپنے نظریات و معتقدات کے باعث ہندوؤں میں بے حد مقبول تھا۔ وہ اسے اپنے آیندہ سیاسی عزائم کا آلۂ کار بنانا چاہتے تھے۔ مگر قدرت کو ابھی ایسا منظور نہ تھا۔ عنانِ اقتدار اورنگ زیب عالم گیر کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اس مردِ مومن کے مذہبی و سیاسی اصول واضح تھے۔ یہ کفر و اسلام میں حدِ فاصل رکھنا چاہتا تھا۔ جس کو کہ اکبر مٹانا چاہتا تھا۔ اورنگ زیب عالم گیر حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کی تعلیمات

---

[1] شیخ شاہ محمد نام تھا۔ مگر ملا شاہ بدخشانی قادری کے نام سے مشہور تھے۔ باپ کا نام ملا عبدی تھا۔ موضع ارکسان جو بدخشاں کے مضافات سے ہے۔ وہاں کے رہنے والے تھے۔ علوم متداولہ کے اکتساب کے بعد راہِ سلوک میں قدم رکھا۔ اور طلبِ حق میں وطن سے نکلے۔ پہلے کشمیر آئے۔ تین سال یہاں قیام کیا۔ پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ ارادہ آگرہ جانے کا تھا۔ کہ لاہور میں حضرت شیخ محمد میاں میر المتوفی ۱۰۴۵ھ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے کمالات سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ آپ کی خانقاہ میں بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا حتیٰ کہ تجرید و تفرید میں منفرد ہوگئے داراشکوہ کے مرشد تھے۔ اس کے قتل اور شاہ جہان کی نظربندی کے بعد کشمیر چلے گئے تھے۔ الحاد سے بھی متہم ہوئے۔ اورنگزیب نے دربار میں طلب کیا۔ مجبوراً آئے۔ اور لاہور پہنچ کر اورنگزیب کی تخت نشینی کی تاریخ لکھ کر دہلی بھیجی۔

صبح دل من چو گل خورشید شگفت　　　حق ظاہر شد و غبارِ باطل را رفت

تاریخ جلوسِ شاہِ اورنگ مرا　　　ظل الحق گفت الحق ایں را حق گفت

اورنگ زیب نے رباعی پڑھ کر دربار میں حاضری معاف کردی۔ اور لاہور میں رہنے کا حکم دیا ۱۰۷۲ھ میں وفات پائی۔ اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ سارا کلام عارفانہ و موحدانہ ہے۔

اور تجدید و اصلاح سے بے حد متاثر تھا۔ آپ کے فرزند حضرت شیخ محمد معصوم المتوفی ۱۰۸۰ھ کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ عمر بھر امارت میں فقیری کی انہی اوصاف اور محبتِ اسلام کے باعث ہندوؤں اور انگریز مؤرخین کا معتوب رہا ہے۔ ان حالات و واقعات کے بیان کرنے کا مقصد وحید یہ تھا۔ کہ ایک تو اُس زمانے کے مذہبی و سیاسی حالات مجمل طور پر سامنے آجائیں۔ اور دوسرے یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی عبدالسلام مفتی و مدرس لاہور کے دادا مولانا مفتی عنایت اللہ اور ان کے فرزند مولانا قاضی مفتی محمد طاہر نے اس پُر آشوب زمانے میں ان تمام آلودگیوں سے اپنے دامن کو پاک رکھا۔ اور کسی طائفہ کی ہم نوائی نہیں کی۔ بلکہ نہایت خاموشی و اطمینان کے ساتھ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ نیز ارشاد و ہدایت کا جو سلسلہ بزرگوں سے چلا آرہا تھا۔ اس کو بھی جاری رکھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی عبدالسلام مفتی و مدرس لاہور نے بھی عمر بھر یہ مسلک قائم رکھا۔ اور پچیس برس تک تشنگانِ علم و ہدایت کو سیراب کرتے رہے۔ آپ کا حلقۂ درس بڑا وسیع تھا۔ طالبان علوم دینیہ دور دور سے آکر اخذ فیض کرتے تھے۔ بعہد نورالدین محمد جہانگیر ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد امجاد میں سے مولانا مفتی محمد محمود۔ مولانا مفتی برہان الدین اور مولانا مفتی شیخ کمال الدین خورد بعہد شہاب الدین محمد شاہ جہان اور محی الدین اورنگ زیب عالم گیر لاہور کے جید علماء و فضلاء و فقہاء سے تھے۔

ملا بایزید[۱]۔ ملا عبدالسلام[۲]۔ مولوی محمد سعید[۳] اعجاز۔ مولوی عبدالحکیم[۴] گیلانی

---

[۱] گیلان کے ایک سیر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان نقل مکان کر کے ملتان آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس خاندان کی علمی شہرت سن کر بابر نے ان کے والد کو دہلی بلا لیا تھا۔ ملا بایزید نے وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ اور فضیلتِ علمی حاصل کی۔ پہلے دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر لاہور آگئے۔ طلبہ کے علاوہ اہل علم بھی آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر مستفید ہوتے تھے۔

[۲] معقولات و منقولات میں کامل و اکمل تھے۔ پچاس برس تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

(باقی بر صفحہ ۴۹)

مولوی محمد سعید[۱] اعجاز - مولوی عبد[۲] الحکیم گیلانی - مولانا شیخ عبد[۳] الحق محدث دہلوی - حضرت شیخ احمد مجدد[۴] الف ثانی سرہندی -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) تفسیر بیضاوی پر نہایت عمدہ حواشی لکھے - اکبر کے وزیر مالیات امیر فتح اللہ شیرازی سے ریاضی و تفسیر پڑھی تھی - شیخ اسحاق کاکو - شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی اور قاضی صدر الدین جالندھری کے حلقۂ درس سے بھی اخذ فیض کیا تھا - ملا عبد السلام دیوی اور میر ک شیخ ہروی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے -

[۱] جہانگیری عہد میں دہلی سے لاہور آئے - عمر کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گذارا - علوم دینیہ کے ساتھ معقولات کو بھی بڑی محنت سے حاصل کیا تھا - شعر و شاعری میں بھی مذاق سلیم رکھتے تھے - ظاہری و معنوی خوبیوں کے جامع تھے -

[۲] ملا بایزید کے تیسرے بیٹے تھے - سب سے زیادہ علمی شہرت انہوں ہی نے حاصل کی - جہانگیری دور حکومت میں اپنے علمی فضل و کمال کے باعث مشہور زمانہ تھے - متوکل اور اخلاق حسنہ کے جامع تھے - جہانگیر نے کئی مرتبہ دربار میں بلایا - مگر نہیں گئے - تمام عمر درس و تدریس میں گذاری - باپ کے صحیح جانشین تھے -

[۳] حضرت شیخ سید جمال الدین ابو الحسن موسیٰ پاک شہید ملتانی المتوفی سنہ ۱۰۱۰ھ کے مرید و خلیفہ تھے - انکی وفات کے بعد حضرت شیخ عبد الوہاب شاذلی چشتی سے اخذ فیض کیا - علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے - شرح مشکوٰۃ عربی و فارسی - صراط مستقیم - اخبار الاخیار - شرح فتوح الغیب - جذب القلوب - زاد المتقین - مدارج النبوت آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں - جہانگیر کے زمانے میں مقبول خاص و عام تھے - بادشاہ ملاقات کے لیے آپکے مکان پر حاضر ہوا تھا - اور آپنے اپنی مشہور تصنیف اخبار الاخیار نذر گزرانی تھی - تمام عمر رفع بدعت و الحاد میں کوشاں رہے - آپنے عہد اکبری سے لیکر اپنے عہد تک کے تمام حالات و واقعات کا جائزہ بڑے غور و فکر کے ساتھ کیا تھا - اور دینی نصاب تعلیم میں قرآن و حدیث کو مقدم قرار دے کر ہر طالب علم کے دل میں یہ نقش کر دیا تھا - کہ جو شخص قرآن و تفسیر میں اپنی رائے کو دخل دے وہ کفر کا مرتکب ہے - وہ علم علم نہیں ہے - جو دین و ملت کی تقویت کا باعث نہ ہو - بعہد شاہ جہان سنہ ۱۰۵۲ھ (عبد الحق امام دین) میں وفات پائی -

[۴] شیخ احمد اسم گرامی - مجدد الف ثانی لقب - حضرت شیخ عبد الاحد فاروقی کابلی کے نامور فرزند تھے -

(باقی بر صفحہ ۵۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) آپ کے بزرگ کابل سے تشریف لاکر بمقام سرہند آباد ہو گئے تھے۔ آپ یہیں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ دہلی کے مشہور عارف کامل حضرت محمد باقی دہلوی المتوفی ۱۰۱۲ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے والد ماجد سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ جامع شریعت و طریقت تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں بے عدیل و بے نظیر تھے۔ تصوف کے تمام سلاسل سے انتساب فیض کیا تھا۔ کتاب و سنت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اصلاح و تجدید اور تبلیغ اسلام کا آوازہ اس زور سے بلند کیا کہ جس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آرہی ہے۔ اسی لیے آپ کو الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سالہ دور کا مجدد کہتے ہیں۔ عہد اکبری و جہانگیری کے مذہبی و سیاسی حالات و واقعات کا احساس جس طرح حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو ہوا تھا۔ اسی طرح ان نازک حالات کا احساس آپ کو بھی ہوا۔ چنانچہ آپنے اپنے تمام مریدین و احباب کو لکھا "کہ ہمیں اور تمہیں چاہیئے کہ اپنے عقاید کو کتاب و سنت کے مطابق جس طرح پر علمائے حق نے سمجھے اور اخذ کیے ہیں درست کریں۔ کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا ان حضرات کی رائے کے مطابق نہیں تو قابل اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ ہر بدعتی اپنے خیالات کی بنیاد قرآن و سنت ہی پر رکھتا ہے۔" مکتوب جلد اول۔ آپ کو اس اصلاح و تجدید کے سلسلے میں قید و بند کے مصائب بھی اٹھانے پڑے۔ جہانگیر کے دربار میں جیساکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ نورجہان کے اثر و رسوخ کے باعث شیعی علماء کا اقتدار بڑھ گیا تھا۔ آپنے جب رفع بدعت و شیعت میں رسائل لکھے تو ان لوگوں نے آپ کے خلاف شکایتیں کیں۔ اس لیے بھی کہ دربار میں اہل سنت اکابر اور فوج کے بڑے بڑے عہدہ دار آپ ہی کے مرید تھے۔ جہانگیر کے کان بھرنے شروع کیے۔ کہ یہ آپکے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپکے ایک مکتوب کی غلط توجیہ و تاویل کرکے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے فوق و افضل ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ جہانگیر نے آپکو دربار میں بلایا۔ آپ ایک بے خوف مومن کی طرح دربار میں آئے۔ نہ تعظیمی سجدہ کیا اور نہ کسی دوسرے غیر اسلامی طریق کے مرتکب ہوئے۔ گو یہ امر جہانگیر پر نہایت گراں گذرا مگر مصلحت وقت کے پیش نظر خاموش رہا۔ آپنے نہایت حق گوئی اور آزادی و بیباکی کے ساتھ تمام باتوں کی توضیح و تشریح بڑی شرح و بسط کے ساتھ کی۔ کہ جہانگیر مطمئن ہو گیا اور آپکو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ مگر اس طائفہ کی سازشیں برابر جاری رہیں۔ آخر جہانگیر نے آپکو گوالیار کے قلعہ میں نظربند کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد خود ہی آپکو رہا کر دیا۔ اور خدمت میں نذرانہ پیش کیا۔ اور کچھ عرصہ تک اپنے ساتھ رکھا۔ اور شاہجہان کو آپکی خدمت میں رہنے کا حکم دیا۔ ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے آپکی دعوت بھی قبول کی۔ شہنشاہ جہاں ... فیض کمال احمد" سے ۱۰۳۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت شیخ محمد طاہر[1] نقشبندی مجددی۔ مولانا عبدالحکیم[2] سیالکوٹی آپ کے قابل ذکر معاصرین ہیں۔

---

[1] ۹۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے شاہ سکندر کیتھلی کے مرید ہوئے۔ پھر شیخ عبدالاحد والد بزرگوار حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مجدد کے ہم نشین وہم صحبت رہے۔ پھر اُنہیں کے مرید ہو گئے۔ اور حضرت کے دونوں فرزندوں شیخ محمد معصوم اور شیخ احمد سعید کے اتالیق رہے۔ اپنے وقت کے جید علماء اور مشاہیر صوفیاء میں سے تھے۔ بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا تھا۔ مرجع خلائق تھے۔ حضرت مجدد کے حکم سے لاہور آکر قیام پذیر ہو گئے تھے کسی معاوضہ کے بغیر وعظ اور درس و تدریس کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ کتب فقہ و حدیث و تفسیر اپنے قلم سے لکھتے۔ محشی و تصحیح کرتے۔ اور اُس سے جو رزق حلال حاصل ہوتا۔ اُسے اپنے مصرف میں لاتے۔ اپنی ضروریات کے لیے کسی سے ایک حبہ بھی نہ لیتے تھے۔" روشن آفتاب" ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

[2] اپنے عہد کے اکابر علماء اور جید فضلاء میں سے تھے۔ مولانا کمال الدین کشمیری سیالکوٹی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اصلی وطن سیالکوٹ تھا۔ مگر تمام عمر لاہور میں درس و تدریس میں گذاری تفسیر بیضاوی پر لاجواب حاشیہ لکھا۔

کتاب غنیۃ الطالبین مصنفہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کا ترجمہ حضرت شیخ بلاول قادری المتوفی ۱۰۴۶ھ کے ایماء سے کیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کو پہلے پہل آپ ہی نے مجدد الف ثانی کے خطاب سے مخاطب کیا۔ اور انھوں نے انہیں آفتاب پنجاب کے لقب سے ملقب فرمایا۔ جہانگیر و شاہجہان کے عہد میں مقبولِ خاص و عام تھے۔"

"مخزن علم عبدالحکیم" ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا مفتی شیخ کمال الدین خورد قدس سرہ

اپنے زمانے کے عالم متبحر اور فقیہ کامل تھے۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں قرآن و حدیث، تفسیر و فقہ اور دیگر علوم دینیہ کا درس دیا کرتے تھے۔ سلوک و معرفت میں بھی مقام بلند اور درجۂ ارجمند رکھتے تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ کے شیخ الوقت تھے۔ حلقۂ درس ہو یا حلقۂ ذکر و فکر قال اللہ و قال الرسول کے سوا کسی بات کا ذکر نہ ہوتا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں کسی امیر و بادشاہ کے دربار میں نہیں گئے۔ نہایت متوکل اور مستغنی المزاج تھے۔ بعہد اورنگ زیب عالم گیر در اعظم الاولیا ۱۰۹۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی شیخ کمال الدین خورد کے خلف اکبر تھے۔ لاہور کے جید علماء وفضلاء سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں مقتدائے زمانہ مانے جاتے تھے۔ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے پدر بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے۔ علوم دینیہ میں سے خاص کر درس حدیث ان کا مشغلہ تھا۔ تمام عمر ظاہری رسوم و قیود سے آزاد رہے۔ امراء سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ درس و تدریس میں بے نظیر اور اعلائے کلمۂ حق میں بے خوف تھے۔ مستغنی المزاج اور سادہ لباس تھے۔ آپ کو دیکھ کر سلف صالحین کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ بعہد روشن اختر محمد شاہ "مفتی الشرع" سنہ ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد نقی قدس سرہ

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد تقی کے خلف الرشید تھے۔ اپنے والد ماجدؒ ہی کی زندگی ہیں طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ علوم دینیہ اور عربی ادب میں پوری دست گاہ رکھتے تھے۔ ادق سے ادق مسئلہ طلبہ کو بہ آسانی ذہن نشین کرادیتے تھے۔ تمام عمر فقر وتوکل، تجرید و تفرید اور ایثار و عمل میں گذاری۔ اپنے علمی فضل و کمال کے باعث صاحب فتویٰ تھے۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں درسِ قرآن وحدیث وفقہ دیا کرتے تھے۔ طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل پر خاص توجہ رکھتے تھے۔ بعہد اعز الدین محمد عالم گیر ثانی "حسنِ عالم تاب" ۱۱۴۶ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا خواجہ مفتی محمد ایوب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد تقی کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے دادا اور اپنے والد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ سلسلہ سہروردیہ میں اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ خواجہ ایوب کے نام سے مشہور زمانہ ہوئے۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم، فقیہ، فاضل اور صوفی و متکلم تھے۔ آپ کی ذات بابرکات جامع شریعت و طریقت تھی۔ فقر و توکل زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں علوم اسلامیہ کا درس دیا کرتے تھے۔ بے شمار طالبانِ علم و ہدایت نے آپ کی ذات گرامی سے اکتساب فیض کیا۔ مثنوی مولانا روم سے خاص شغف تھا۔ اس کے حقائق و معارف بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حلقۂ درس میں مثنوی کے مطالب و معانی بیان کر رہے تھے۔ کہ ایک شخص متعدد بار سمجھانے کے باوجود نہ سمجھ سکا اور اُس کی تسلیٔ خاطر نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے اُسی روز حضرت مولانا محمد جلال الدین[1] رومی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ فرما رہے ہیں۔ کہ خواجہ ایوب ہمارے اویسی ہیں۔

---

[1] محمد نام جلال الدین لقب سلطان العلماء حضرت مولانا بہاؤ الدین المتوفی "عابد تقی" ۶۲۸ھ کے نامور فرزند تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اصل وطن بخارا تھا خطۂ روم ایشیائے کوچک میں نشو و نما پائی۔ اس لیے رومی مشہور ہوئے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔ حضرت محمد شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ المتوفی "شمس الدین معلی" ۶۴۵ھ سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ آپ کی مثنوی میں جس قدر حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں کسی شاعر و فلسفی کے کلام نہیں ہوئے۔ اپنے زمانے کے بے نظیر عالم اور بے مثال صوفی و متکلم تھے۔ زہد و تقدس۔ ریاضت و مجاہدہ علم و حلم اور ذوق و شوق میں (باقی بر صفحہ ۵۶)

بیماری روح سے انہیں فیض کامل حاصل ہے۔ اشعار کے معانی جو کچھ انہوں نے بیان کیے ہیں درست ہیں۔ صبح کو شخص مذکور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی ناسمجھی اور نارسائی ذہن کا اعتراف کیا۔ اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔

تصانیف (۱) مخزنِ عشق عارفانہ مثنوی ہے عشق کے احوال و مقامات اور اُس کے اسرار و رموز بیان کیے ہیں۔ پیرایۂ بیان سادہ و رنگین ہیں۔

(۲) شرح مثنوی مولانا روم۔ جو شرح الیوبی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا سب سے بڑا علمی شاہکار ہے۔ چنانچہ اس شرح کے متعلق خود فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے مثنوی کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ تو مثنوی ہی سے اس کا اشارہ و اجازت حاصل کی۔ جب مثنوی کھولی۔ تو یہ اشعار سامنے آئے ؎

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا ۔۔۔ اے مقالِ روحِ سلطانِ ہُدا
مثنوی را شرح و مشروح دہ ۔۔۔ صورتِ امثالِ او را روح دہ

مولانا کی یہ اجازت پاکر مثنوی کی شرح لکھنی شروع کی۔ جو کئی سال کی محنتِ شاقہ کے بعد ۱۱۱۱ھ میں بعہد اورنگزیب عالمگیر اختتام کو پہنچی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی مثنوی صوری و معنوی خوبیوں کے باعث دنیا کی مقبول ترین اور مشہور ترین کتاب ہے۔ علامہ اقبال آپ کے کلام سے بے حد متاثر تھے" کاشف المقصود" ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔ مزار قونیہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

لے [illegible] بن محمد بن حسن بن اخی [illegible] نام ترکی النسل تھے۔ حضرت مولانا محمد جلال الدین رومی کے اکمل خلفاء میں سے تھے۔ مولانا نے اپنی شہرۂ آفاق مثنوی آپ ہی کی تحریک پر لکھی تھی۔ ایک روز آپ نے مولانا کی خدمت میں عرض کی کہ آپ الٰہی نامہ از حکیم سنائی اور منطق الطیر از فریدالدین عطار کی طرز پر ایسی مثنوی تحریر فرمائیں جو اپنے حقائق و معارف کے باعث صفحۂ روزگار پہ یادگار رہے۔ چنانچہ ان کے کہنے پر مولانا نے مثنوی تحریر فرمائی۔ مولانا نے مثنوی میں کئی جگہ پر انہیں ضیاء الحق حسام الدین کے لقب سے مخاطب فرمایا ہے۔ "آفتاب حق" ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ اختتام مثنوی از حضرت شارح

یافت شرح مثنوی مولوی ! خلعتِ اتمام از لطف خدا
گفت تاریخش بگوشِ دل خرد طرفہ شرح مثنوی جاں فزا ۱۱۴۹ھ

بروز پنج شنبہ ۱۲ رجادی الثانی ۱۱۵۵ھ میں بعہد روشن اختر۔ محمد شاہ المتوفی ۱۱۶۱ھ وفات پائی۔ مزار اقدس گورستان بی بی پاک دامناں نزدِ مقبرہ بی بی ؟ و تاج واقع ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات از مولانا میر محمد علی لاہوری جو آپ کے ارشد تلامذہ و مریدین میں سے تھے۔

ز دردِ انتقال شیخ ایوب کہ گشتہ روح او از وصل حق شاد
نہ تنہا اہلِ عالم را جگر سوخت فلک ہم آہ و زاری کرد بنیاد
بجستم سال وصلش از خرد گفت موحد جاں بتوحیدِ خداداد ۱۱۵۶ھ

قطعۂ تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجۂ ایوب مردِ اہل دل بود یکتا شیخ حق کامل ولی
سال وصلش ہست مہتاب بہشت ۱۱۵۵ھ نیز فرما شیخ حق کامل ولی ۱۱۵۵ھ!

حضرت شاہ عنایت قادری لاہوری[1]۔

---

[1] حضرت شاہ رضا قادری المتوفی ۱۱۱۱ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ۶۰ ء تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر علم ظاہری و باطنی سے حصۂ وافر حاصل کیا۔ پھر حسب ارشاد مرشد قصور جاکر ہدایت خلق اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبول عام دیا۔ حسین خاں افغان حاکم قصور آپکے فروغ سے بہت گھبرایا۔ اور قصور سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لے آئے۔ اور یہاں سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا۔ آپ صاحب تصنیف تھے۔ عنایۃ الحواشی اور شرح کنز الدقائق آپ کی مشہور تصانیف ہیں "مشتاق مکرم" ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ پنجابی زبان کے مشہور صوفی شاعر حضرت میر بھلے شاہ قادری قصوری المتوفی "بشیخ مکرم" ۱۱۷۱ھ آپ ہی کے مرید و خلیفہ تھے۔

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ[1]۔ حضرت مولانا عابدؒ[2] لاہوری۔ آپ کے قابلِ ذکر معاصرین ہیں۔

---

[1] حضرت سید حسن پشاوری کے نامور فرزند تھے۔ جامع کمالات صوری و معنوی اور کاشفِ اسرارِ شریعت و طریقت تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد ماجد کے مرید تھے۔ ہندوستان کی سیر و سیاحت کے دوران میں حضرت سید محمد سعید المخاطب بہ سید میران بھیکھ چشتی المتوفی ۱۱۳۱ھ سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ رسالۂ غوثیہ کے مصنف ہیں۔ "عارف مخدوم سالک" ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بیرون اکبری دروازہ لاہور زیارت گاہ خلق ہے۔

[2] فاضل زمانہ اور عابد و زاہد تھے۔ پاپیادہ سفرِ حج کیا تھا۔ قرآن شریف کے مفسر تھے بڑے لطیف اور نازک معانی بیان فرمایا کرتے تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گذاری ۱۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت علامہ حافظ حکیم مفتی رحمت اللہ قدس سرہ

حضرت مولانا خواجہ مفتی محمد ایوب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اپنے والد ماجد ہی کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بھی اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے زمانے کے منتخب علماء و فضلاء و اطبا سے تھے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و ادب معانی و منطق، اصول و فروع۔ علم الکلام اور علم طب میں امام وقت تھے۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں درس دیا کرتے تھے۔ اپنے کمالِ علم اور زہد و ورع کے باعث جامع شریعت و طریقت تھے۔ علم طب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ تشنگانِ علوم اسلامیہ و علم طب دور دور سے آکر سیراب ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں آپ کی ذات بابرکات سرچشمۂ علوم ظاہری و باطنی تھی۔ درس و تدریس اور ہنگامۂ طب کے ساتھ اپنے آبائی سلسلہ سہروردیہ کی بھی تلقین و ہدایت جاری رکھی۔ اور ایک خلق کثیر کو اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور کیا۔ "مخزن الاسرار" ۱۱۹۰ھ میں بعہد شاہ عالم ثانی المتوفی ۱۲۲۱ھ وفات پائی۔

دو فرزند مولانا حافظ مفتی محمدی اور مولانا مفتی شاہ محمد رحیم اللہ اولاد سے تھے
مولانا مفتی شیخ محمد مکرم[1] مفتی اعلیٰ لاہور۔

---

[1] آپ اپنے ہم جد اور اپنے زمانے کے جید علماء و فقہاء سے تھے۔ علوم تفسیر و حدیث، فقہ و ادب، اصول و فروع، معانی و منطق میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اس تبحر علم کے ساتھ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں بھی لاثانی تھے۔ احمد شاہ ابدالی المتوفی ۱۱۸۶ھ نے اپنے فرمانِ محررہ ۱۱ رمضان ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۷ء میں آپ کو لاہور کا مفتی اعلیٰ مقرر کر کے محکمۂ افتاء و قضاء دونوں آپ کے سپرد کر دیئے تھے۔ چنانچہ تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی المتوفی ۱۲۰۷ھ تک سرکاری حیثیت سے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۱۶ھ میں جب لاہور پر قبضہ کیا تھا۔ اس وقت تک آپ زندہ تھے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود آپ کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

ملا محمد صدیق[1]۔ مولانا شہر یار[2]۔ مولانا حافظ جمال الدین[3] المعروف بہ حافظ لدھا۔ اور مولانا غلام فرید[4] لاہوری آپ کے قابل ذکر معاصرین ہیں۔

سیاسی لحاظ سے آپ کا زمانہ بڑا پرآشوب تھا۔ طوائف الملوکی کے باعث نظام حکومت بے حد ابتر تھا سلطنت دہلی کی کمزوری ویسے ہی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ پہلے نادر شاہ[5] ایرانی کی غارت نے اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی[6] کے حملوں نے

---

[1] آپ کے آباؤ اجداد کابل سے لاہور آکر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کے والد مولانا محمد حنیف اپنی فضیلت علمی کے باعث مسجد وزیر کے امام مقرر ہوئے تھے۔ آپ نے لاہور کے جید علماء و فضلاء سے تعلیم حاصل کی تھی۔ جن میں مولانا عابد لاہوری اور مولانا شہر یار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان اساتذہ سے تحصیل علم کے بعد علم حدیث کی سند کے لیے سفر حجاز کیا۔ اور علمائے مکہ و مدینہ سے علم حدیث کی سند لی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ ہی مسجد وزیر خاں کے امام و خطیب مقرر ہوئے۔ امامت کے ساتھ سلسلہ درس و تدریس بھی تھا۔ ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

[2] فاضلان لاہور میں سے تھے۔ مسجد چینیانوالی میں درس دیا کرتے تھے۔ بڑے جید عالم تھے۔ ہندوستان تک آپکے فضل و کمال کی شہرت تھی۔ اعلائے کلمۂ حق میں بے خوف تھے۔

[3] لاہور کے اکابر علماء و فضلاء سے تھے۔ فن قرأت میں امام مانے جاتے تھے سلسلۂ قادریہ میں شیخ آدم لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ لاہور میں طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ "حافظ عالم پناہ" ۱۱۸۸ھ میں وفات پائی۔

[4] لاہور کے مشاہیر علماء و فضلاء و صلحاء میں سے تھے۔ عالم عابد و زاہد اور جمیع کمالات صوری و معنوی تھے۔ مزاج پر تجرید و تفرید کا رنگ غالب تھا۔ تمام عمر درس و تدریس میں گذاری "تاج اخیار" ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

[5] قوم قزلباش کے ایک فرقہ افشار سے تعلق رکھتا تھا۔ خاندان صفویہ کے آخری بادشاہ طہماسپ کی کمزوری و نااہلیت سے فائدہ اٹھا کر سلطنت ایران پر قابض ہو گیا تھا۔ اپنی بہادری اور حسن تدبیر سے کابل و قندھار کو بھی فتح کیا۔ اس وقت تخت دہلی پر محمد شاہ متمکن تھا۔ جس نے خاندان سادات کی اعانت سے جو تاریخ میں بادشاہ گر مشہور ہیں، سلطنت حاصل کی تھی۔ اپنی نااہلیت کی وجہ سے عیش و عشرت میں اس قدر غرق ہو گیا تھا کہ ملک و مملکت کی کچھ خبر نہ رہی تھی (باقی بر صفحہ ۶۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) آصف خاں نظام الملک قمرالدین اس کا وزیر کل تھا۔ ایک مرتبہ اس کے اور محمد شاہ کے درمیان بعض امور میں کدورت و رنجیدگی پیدا ہوگئی۔ نظام الملک نے نادر شاہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ نادر شاہ ایک جرار فوج کے ساتھ براہ پشاور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ جب لاہور پہنچا تو نواب زکریا خاں صوبہ دار لاہور مقابلے کے لیے نکلا۔ مگر شدید لڑائی کے بعد شکست کھائی اور قلعہ میں محصور ہوگیا۔ نادری فوج نے لاہور کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر نواب زکریا خاں نے اطاعت منظور کرلی۔ اور بیس لاکھ روپیہ نقد اور دس ہاتھی بطور نذرانہ پیش کیے اس کے بعد نادر شاہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ فروری ۲۳ ۱۷۳۹ء میں کرنال کے میدان میں محمد شاہ کی فولادی فوج کو شکست دی۔ اور بغیر کسی کشت و خون کے دہلی پر قابض ہوگیا۔ لیکن چند روز کے بعد شہر میں بلوہ ہوگیا۔ جس میں نادر شاہ کے کچھ سپاہی مارے گئے۔ ان کا انتقام لینے کے لیے نادر شاہ نے دہلی کے باشندوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ جو آٹھ بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک جاری رہا۔ جس میں ایک اندازہ کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار آدمی مارے گئے۔ چونکہ نادر شاہ ہندوستان کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ اس لیے تاوانِ جنگ۔ اور مالِ غنیمت۔ تخت طاؤس۔ جواہر۔ کوہ نور سب کو ملا کر جس کا اندازہ تقریباً ۱۲ کروڑ پونڈ کیا جاتا ہے وصول کر کے اور محمد شاہ کو اس دھمکی کے ساتھ تخت پر بٹھا کر کہ اگر ضرورت پڑی تو میں پھر آؤں گا واپس چلا گیا۔ مگر اثنائے راہ میں اپنے امراء دوست محمد خاں قاچاری ایرانی موسیٰ بیگ افشار خلجی صالح بیگ وغیرہ کے ہاتھوں گیارہ سال تین ماہ کی حکومت کے بعد ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا۔

۲؎ افغانوں کے قبیلۂ ابدال سے تھا۔ نہایت بہادر و مدبر جرنیل و سیاست دان تھا۔ اسی حسنِ لیاقت کے باعث نادر شاہ ایرانی کی فوج افغانی کے حصے کا افسر اعلیٰ اور محافظ خزانہ ہوگیا تھا۔ نادر شاہ جب ہندوستان سے اپنے وطن واپس جاتا ہوا اثنائے راہ میں اپنے ہی معتمد علیہ آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ تو اس نے نادر شاہی فوج کو اپنے ساتھ ملا کر خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور قندھار آ کر شاہی اجلاس کیا۔ اور بادشاہِ درّاں اپنا خطاب رکھا۔ اس لیے تاریخ میں احمد شاہ درانی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اپنے حسن تدبیر اور بہادری کی وجہ سے افغانستان کی وسیع سلطنت پر قابض ہوگیا ہندوستان پر چھ مرتبہ حملہ آور ہوا۔ سکھوں کی سرکوبی میں تا بہ امکان کوشش کرتا رہا (باقی بر صفحہ ۶۲)

اس کا رہا سہا وقار بھی بالکل ختم کر دیا تھا۔ لاہور کے صوبہ دار کبھی سلطنت دہلی کی طرف سے اور کبھی احمد شاہ ابدالی کی طرف سے مقرر ہوتے تھے۔ اس دو عملی نے نظام حکومت کو کلی طور پر تباہ و برباد کر دیا تھا۔ پورا پنجاب سکھوں کی تاخت و تاراج کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ دہلی کے کمزور و مجبور بادشاہ اس داخلی و خارجی بدامنی کو دور کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ گو احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کی متحدہ طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ مگر اس سے نہ تو سلطنت مغلیہ کا وقار بحال ہوا۔ اور نہ اُس نئے نظام کو استحکام حاصل ہوا۔ جس کی داغ بیل احمد شاہ ابدالی نے ڈالی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتظامی بدحالی کے باعث سکھوں کو کچھ عرصے کے لیے اقتدار حاصل ہو گیا۔ لاہور پنجاب میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے بیرونی حملہ آوروں اور سکھوں کی غارت گری کا زیادہ تختۂ مشق بنا رہا۔ احمد شاہ ابدالی اور اُس کی فوجیں جب تک یہاں رہتیں۔ سکھ دور دراز مقامات میں چھپے رہتے۔ ان کی واپسی پر سکھوں کے منتشر گروہ جوڑ سے روپوش ہو جاتے تھے۔ اکٹھے ہو کر پھر لوٹ مار شروع کر دیتے تھے۔ چنانچہ آخری مرتبہ جب احمد شاہ ابدالی نے خواجہ عبید اللہ کو لاہور کا صوبہ دار اور کابلی مل کو اُس کا نائب مقرر کر کے کابل واپس گیا۔ تو سکھوں نے پھر جا بجا شورشیں برپا کرنی شروع کر دیں خواجہ عبید اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو امداد کے لیے لکھا۔ اس نے وہاں سے اپنا ایک سردار امیر نور الدین خاں کو امداد کے لیے بھیجا۔ چناب سے پار اتر کر سکھوں کی ایک

(بقیہ حاشیہ ص ۶۱) ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی متحدہ طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا۔ محمد شاہ کی دختر کے ساتھ اپنا اور عالم گیر ثانی کی دختر کے ساتھ اپنے لڑکے تیمور کا نکاح کیا۔ پنجاب کو اپنی مملکت میں شامل رکھ کر یہاں کے امن و امان کو بحال رکھنے کی کوشش کی۔ مگر اس میں چنداں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ علماء اور اہلِ علم کا مربی و قدر دان تھا۔ اور صوفیاء کے ساتھ حسنِ عقیدت رکھتا تھا۔ بیس سال کی حکومت کے بعد ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲) میں وفات پائی۔

بڑی جماعت کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا۔ اس اثنا میں خواجہ عبیداللہ بھی پہنچ گیا۔ مگر نور الدین شکست کھا کر جموں کی طرف بھاگ گیا۔ اور خواجہ عبیداللہ میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اس شکست کے بعد کابلی مل نائب صوبہ دار نے احمد شاہ کو پھر امداد کے لیے لکھا۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ اور جرار لشکر کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوا۔ سکھ احمد شاہ کی آمد کی خبر سن کر ایسے غائب ہوئے۔ کہ گویا پنجاب میں اُن کا وجود ہی نہ تھا۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہ کر احمد شاہ پھر کابل واپس چلا گیا۔ کابلی مل نائب صوبہ دار چناب تک اس کے ہمراہ آیا۔ لشکر کے نکلتے ہی سکھ پھر آموجود ہوئے۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ حتیٰ کہ کابلی مل بھی شہر میں داخل نہ ہو سکا۔ سکھوں کے تین سردار لہنا سنگھ۔ گوجر سنگھ اور سوبھا سنگھ اکٹھے ہو کر لاہور پر چڑھ آئے۔ اور قتل و غارت کے بعد شہر کے مختلف حصوں پر قابض ہو کر حاکم بن بیٹھے احمد شاہ ابدالی ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء میں بیس سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ جانشین ہوا۔ اس نے بھی دو مرتبہ پنجاب پر سکھوں کی سرکوبی کیلئے حملہ کیا۔ مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس کی حکومت کابل، قندھار، کشمیر اور کچھ سندھ کے علاقے تک رہی۔ ۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۳ء میں وفات پا گیا۔ اس کے بیٹوں میں سے شاہ زمان نے حکومت حاصل کی۔ دو مرتبہ اس نے بھی سکھوں کی بدامنی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ پہلی مرتبہ ۱۷۹۷ء میں لاہور آیا۔ تینوں حاکم شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس اثنا میں اسے اپنے بھائی محمود شاہ کی بغاوت کی خبر ملی۔ اور یہ بغیر کسی انتظام کے کابل واپس چلا گیا۔ دوسری مرتبہ ۱۷۹۸ء میں آخری مرتبہ لاہور آیا۔ حسب معمول تینوں حاکم پھر شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور زمان شاہ بغیر کسی روک ٹوک کے لاہور پر قابض ہو گیا۔ مگر اس دفعہ بھی اسے ویسے ہی حالات در پیش آئے۔ اس کے بھائی محمود شاہ نے پھر بغاوت کر دی۔ اور یہ نہایت عجلت کے ساتھ کابل روانہ ہو گیا۔ جاتے ہوئے سیلاب کی وجہ سے اپنی کچھ توپیں ساتھ نہ لے جا سکا۔ انہیں جہلم کے کنارے چھوڑ گیا۔ یہ توپیں رنجیت سنگھ نے زمان شاہ کے پاس بھجوا دیں۔ زمان شاہ نے خوش ہو کر لاہور کی حکومت کا اجازت نامہ لکھ بھیجا۔ مگر خود زمان شاہ کا انجام اچھا نہ ہوا۔ اس کے بھائی محمود نے قندھار و غزنی کے علاقے پر قبضہ کر کے کابل پر

حملہ کر دیا۔ شاہ زمان ابھی پشاور ہی میں تھا۔ یہ خبر سن کر کابل روانہ ہوا۔ مگر ہراول فوج کی سازش کی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ اور محمود شاہ نے اُسے اندھا کر دیا۔ اندریں حالات رنجیت سنگھ نے لاہور پر قابض ہونے کی کوشش شروع کر دی۔ اور اپنے ایک معتمد قاضی عبدالرحمٰن رام نگری کو لاہور بھیجا کہ وہ اہلِ لاہور کا عندیہ معلوم کرے۔ اگر حالات سازگار ہوں۔ تو وہاں کے ذی اثر اصحاب سے مل کر اُن کی امداد و حمایت حاصل کرے۔ چناں چہ قاضی عبدالرحیم نے لاہور پہنچ کر اکابرِ شہر کے ساتھ گفتگو شروع کی جن میں میاں محمد عاشق۔ میاں جان محمد، مہر محکم الدین۔ حکیم حاکم رائے۔ بھائی گردبخش سنگھ مولوی محمد سلیم۔ مولانا مفتی شیخ محمد مکرم مفتیٔ اعلیٰ لاہور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے رنجیت سنگھ کی شاہ زمان کے نمائندہ کی حیثیت سے ان شرائط پر تائید و امداد کا وعدہ کیا۔ کہ شہر میں امن و امان بحال کیا جائے گا۔ رعایا کے مال و جان کی حفاظت کی جائیگی اور آئینی بدنظمی کو دور کیا جائے گا۔ مذہب کی بنا پر کسی سے دشمنی نہیں رکھی جائیگی سب کو آزادی حاصل ہوگی۔ غصب شدہ جائیداد اور مال واپس کیا جائے گا۔

قاضی عبدالرحمٰن نے ان اکابر کے دستخطوں سے ایک عرضداشت تیار کی۔ اور حکیم حاکم رائے کو ساتھ لے کر رنجیت سنگھ کے پاس واپس گیا۔ یہ سب کچھ اس خاموشی کے ساتھ ہوا۔ کہ ہر سہ حاکموں میں سے کسی کو کچھ معلوم نہ ہوا۔ اس کامیابی پر قاضی کو انعام و اکرام دیا گیا۔ اور رنجیت سنگھ نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ معمولی مدافعت کے بعد رنجیت سنگھ لاہور پر قابض ہو گیا۔ اور ۱۲۱۶ھ / ۱۷۹۹ء میں اہلِ لاہور کو تین حاکموں کی ظالمانہ و غاصبانہ حکومت سے نجات ملی۔ اور امن و امان بحال ہوا۔ رنجیت سنگھ کا عہد بہت حد تک آئینی تھا۔ اس لیے کہ اس کے ارکانِ حکومت میں مدبر و فاضل مسلمان اور معاملہ فہم ہندو شامل تھے۔ رنجیت سنگھ کا دورِ حکومت ۱۷۹۹ء سے ۱۸۳۹ء تک ہے۔ اسکی وفات کے بعد اس کی اولاد میں سے کھڑک سنگھ المتوفی ۱۸۴۰ء۔ شیر سنگھ المتوفی ۱۸۴۳ء اور دلیپ سنگھ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ مگر ۱۸۴۰ء سے لے کر ۱۸۴۹ء تک کا زمانہ سکھ امرا کا اپنے اپنے حصولِ اقتدار کے لیے آپس کی خانہ جنگیوں، خون ریزیوں

اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں گذرا۔ انگریزوں سے بھی ان کے تعلقات بگڑے۔ اور انہوں نے معاہدہ امرتسر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انگریزی علاقوں پر بھی دست درازی شروع کر دی۔ انگریزوں نے تادیبی کاروائی کرتے ہوئے فروری ۱۸۴۶ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اب سکھوں اور انگریزوں میں یہ معاہدہ ہوا۔ کہ رنجیت سنگھ کے سب سے چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ کے بالغ ہونے تک نظامِ سلطنت ایک کونسل کے سپرد کر دیا جائے۔ اور کونسل کے نگران انگریز ہوں۔ مگر سکھ فوج کو یہ معاہدہ پسند نہ آیا۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں سکھوں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی۔ سکھوں نے شکست کھائی۔ دلیپ سنگھ کو حکومت کی نگرانی میں انگلستان بھیج دیا گیا۔ اور ایک ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ اُسے انگریزی تعلیم دی گئی۔ اور اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد پورے ہندوستان پر انگریزوں کی آئینی حکومت قائم ہو گئی۔ جس کا خاتمہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا۔ اور ہندوستان تقسیم ہو کر پاکستان اور بھارت دو آزاد ملک عالمِ وجود میں آئے۔

حضرت حق آگاہ مولانا مفتی شاہ محمد رحیم اللہ خلف

حضرت مولانا حکیم حافظ مفتی رحمت اللہ قدس سرہ

تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں حاصل کی تھی۔ سلسلہ سہروردیہ کے شیخ الوقت عالم علوم شریعت اور محرم اسرار حقیقت تھے۔ تجرید و تفرید اور فقر و استغنا میں بے نظیر و بے عدیل تھے۔ ذاتی محنت سے بقدر حاجت رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ اور اس میں سے بھی بقدر احتیاج رکھ کر باقی اہل حاجت میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ کے برادر مولانا حافظ مفتی محمدی جو اپنے علمی فضل و کمال کے ساتھ امارت و ثروت میں بھی حصۂ وافر رکھتے تھے۔ کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور التجا کی کہ مجھے کفالت و خدمت کا موقع دیجئے۔ مگر آپ نے ہر بار انکار فرمایا۔ ایک دن کہنے لگے یہ مال و دولت تجھے مبارک۔ میرے گھر میں اگر کسی وقت کوئی شے ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو ذکر و فکر اور توجہ الٰہی میں کمی محسوس کرتا ہوں۔ اپنی ذات کے واسطے کسی شاگرد و مرید اور ملاقاتی کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ تمام عمر اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں قرآن و حدیث و فقہ کا درس دیتے رہے۔ اور طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں مصروف رہے۔ سیاسی لحاظ سے آپ کا زمانہ وہی تھا۔ جو آپ کے والد ماجد کا تھا۔ آپ کا خاندان بھی دو دفعہ سکھوں کی غارت گری کا نشانہ بنا۔ کوٹلی مفتیاں کو اجاڑ دیا گیا۔ حویلیاں مسمار ہو گئیں۔ حتےٰ کہ غارت گر عمارتوں کی لکڑیاں تک اٹھا کر لے گئے۔ مسجد ویران ہو گئی۔ سینکڑوں سال کا کتب خانہ برباد ہو گیا۔ اس دار و گیر میں خاندان کے اکثر و بیشتر افراد نقل مکان کر گئے مگر آپ کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی۔ آپ اس نازک دور میں بھی علم و ہدایت کی ترویج میں ہمہ تن مشغول رہے۔ اور بزرگوں نے جو سجادہ بچھایا تھا۔ اس پر ایسے جم کر بیٹھے کہ مر کر ہی اٹھے۔ ۱۲۳۵ھ میں بعہد رنجیت سنگھ اللہ کو پیارے ہوئے۔ دو فرزند مولانا حکیم

مفتی غلام محمد اور مولانا حافظ مفتی غلام رسول اور ایک دختر زوجہ مفتی احمد بخش خلف مولانا حافظ مفتی محمدی اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔ آپ کے قابل ذکر معاصرین مولانا غلام محمد قادری[1] عرف امام گاموں۔ مولانا حافظ نور محمد لاہوری[2]۔ اور مولانا حافظ روح اللہ لاہوری[3] ہیں۔ قطعہ تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی غلام سرور قدس سرہٗ۔

رحیم اللہ چو شد مرحوم و مغفور   ندا ازد بہر سال وصل رضوان
کہ تاج الفقیہ مہر جمال است ۱۲۳۵   عجب تاریخ آں مفتیٔ دوران

---

[1] مولانا محمد صدیق کے فرزند ارجمند تھے۔ حافظ قرآن اور بلند پایہ عالم تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسجد وزیر خاں کے امام رہے۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ عبداللہ بلوچ المتوفی ۱۲۱۲ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ کتابت قرآن سے رزق حلال حاصل کرتے تھے۔ اور اپنا حصہ نکال کر باقی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بڑے شفیق و حلیم تھے۔ درس و تدریس میں طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ کتاب شمس التوحید فارسی نثر میں ہے۔ اس میں مسئلہ توحید کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک منظوم کتاب تصوف میں گنج مخفی کے نام سے ہے۔ ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی۔ مرقد مسجد وزیر خاں کی جنوبی دیوار کے باہر واقع ہے۔

[2] مولانا جمال الدین المعروف حافظ لدھا کے فرزند اکبر تھے۔ جامع علوم و فنون اور عالم عامل تھے۔ تفسیر و حدیث و فقہ میں فاضل بے بدل تھے۔ سکونت لاہور موضع مزنگ میں تھی۔ تمام عمر درس و تدریس میں گذاری۔ ۱۲۳۵ھ میں وفات پائی۔

[3] مولانا سلیم لاہوری کے شاگرد رشید تھے۔ تفسیر و حدیث۔ صرف و نحو۔ معانی و منطق۔ اور طب میں لاثانی تھے۔ علوم دینیہ میں فاضل ہونے کی وجہ سے صاحب فتویٰ تھے۔ رنجیت سنگھ کے دربار میں آپ کا بڑا احترام تھا۔ جب مکہ معظمہ حج کے لیے گئے۔ تو وہاں ماہ رمضان میں ہر روز ایک سپارہ حفظ کر کے سنایا۔ وطن واپس آ رہے تھے۔ کہ ساحل بمبئی پر ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم مفتی غلام محمد خلف حضرت حق آگاہ مولانا مفتی شاہ محمد رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی سہروردی

ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ پھر حضرت مولانا غلام رسول فاضل لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تفسیر و حدیث اور فقہ و ادب کی تکمیل کی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے وقت کے جامع علوم و فنون عالمِ متبحر اور صوفی باصفا تھے۔ علم و عمل، زہد و ورع، ریاضت و مجاہدہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ علمِ طب میں بھی دست گاہِ کامل تھی۔ اور اپنے عہد کے طبیب حاذق تھے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور مرحوم اپنی مثنوی تحفۂ سروری میں آپ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں

میں عاجز ایک بندہ کم ترین ہوں ۔۔۔ غلام سرور دنیا و دیں ہوں
میرے والد خدا حضرت کو بخشے ۔۔۔ طبیبِ نامور لاہور میں تھے
وہ دیتے تھے دوا ہر لا دوا کو ۔۔۔ چھڑاتے تھے بلا سے مبتلا کو
کیا کرتے ہمیشہ حسب عادت ۔۔۔ ریاضت دن میں اور شب کو عبادت
مثالِ ماہ شب رہتے تھے بیدار ۔۔۔ بشکل مہر دن کو دست باکار
مریضوں کو دعا سے یا دوا سے ۔۔۔ شفا دلوا ہی دیتے تھے خدا سے
وہ مفتی تھے بعلم و فضل مشہور ۔۔۔ سبھی کرتے تھے فتوایٰ اُن کا منظور
سمجھتے تھے اُنھیں مردانِ نامی ۔۔۔ محمد کی غلامی سے گرامی

خدایا اُن کو رکھیو تا قیامت
غریق لجۂ دریائے رحمت

اپنی دوسری مثنوی گلشنِ سروری میں حمد و نعت کے بعد آغازِ مضمون سے پہلے حضرت کی توصیف میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں ؎

میں ہوں بندۂ زار کم اقتدار — سراپا خطا سرو برخاکسار
میرے باپ تھے مفتیٔ نیک خو — نکو کار مرد نکو نیک رو
بہت عابد و زاہد و با وقار — قریشی نسب صاحب اختیار
زمانے میں اُن کا بصد احترام — غلام محمد تھا مشہور نام
وہ علم شریعت میں تھے مقتدار — طریقت میں ہادیٔ راہ ہُدا
وہ تھے میرے والد رفیق و شفیق — خدا اُن کو رحمت میں رکھے غریق
قدیمی وطن اُن کا لاہور تھا — مگر نام ملکوں میں مشہور تھا

خدا اُن کو جنت میں دیوے مکان
رہیں قرب رحمت میں باعز و شان

ہزارہا طلبہ نے آپ کی خدمت بابرکات میں حاضر ہوکر علوم دینیہ و علم طب سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔ آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ اور علوم دینیہ میں فاضل ہونے کی وجہ سے صاحب فتوٰی تھے۔ درس و تدریس اور ہنگامۂ طب کے ساتھ اپنے آبائی سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کا فیضان بھی جاری رکھا۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں گذاری۔ زہد و تقدس کا یہ عالم تھا۔ کہ کتابت قرآن مجید سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی عمر شریف میں تین سو سے زیادہ قرآن شریف رقم فرمائے احکام اسلامی کی پابندی نہایت شدت سے کرتے تھے۔ اور امور غیر شرعی پر اظہار ناپسندیدگی کرتے تھے۔ جامع مسجد بلوچاں مزنگ کی امامت و خطابت و تولیت آپ ہی کے سپرد تھی۔ اس مسجد کا بانی عزیز اللہ بلوچ آپ کے دادا حضرت مولانا حکیم حافظ مفتی رحمت اللہ بن حضرت مولانا مفتی خواجہ ایوب قدس سرہٗ کا مرید و شاگرد تھا۔ اُس نے مسجد کی تولیت اور اپنی حویلی کے حقوق آپ کو تفویض کر دیئے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ مزنگ میں گذرا۔ سلسلۂ درس و تدریس اور مطب بھی وہیں تھا۔ حضرت کا روزانہ دستور یہ تھا۔ کہ نمازِ اشراق سے فارغ ہوکر مریضوں کو دیکھتے اور یہ سلسلہ چاشت تک جاری رہتا۔ نمازِ چاشت سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے

اور ایک گھنٹہ کے لیے قیلولہ کرتے۔ نمازِ ظہر کے بعد کتابت قرآن مجید فرماتے۔ اور یہ کتابت نمازِ عصر تک جاری رہتی۔ پھر نمازِ عصر ادا فرماتے۔ اس کے بعد عام طلبہ حاضر ہوتے۔ مغرب تک ہنگامۂ درس و تدریس رہتا۔ نمازِ مغرب کے بعد منتہی اور خاص طلبہ حاضر ہوتے۔ جس میں تفسیر و حدیث و فقہ کے حقایق و معارف بیان کیے جاتے۔ نمازِ عشاء کے بعد مریدین اور یارانِ طریقت کے حلقۂ ذکر و فکر میں شریک ہوتے۔ اور شریعت و طریقت کے اسرار و رموز بیان فرماتے۔ کچھ دیر تک یہ مجلس قدسی قائم رہتی پھر دستر خوان لگتا۔ سب کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ اور دعائے خیر کے بعد دستر خوان بڑھایا جاتا۔ اور یہ بابرکت مجلس ختم ہوتی۔ پھر آرام کرنے کے لیے تشریف لے جاتے نصف شب تک آرام فرماتے۔ پھر بیدار ہو کر غسل کر کے نمازِ تہجد ادا کرتے۔

بعد نمازِ تہجد تا صبح درود و وظائف اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ نمازِ صبح کے بعد اشراق تک یہی شغل رہتا۔ تا دمِ زیست اس پر عمل رہا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے فیضان سے اور اولیائے کرام کی توجہ سے مجھ فقیر سے کبھی کوئی گناہ صغیرہ و کبیرہ سرزد نہیں ہوا تمام عمر امورِ شرعی پر استقامت فرمائی۔ طبیعت میں درجے کا ذوق و شوق اور سوز و گداز تھا۔ دورانِ تدریس میں اس بات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ کہ ہر طالب علم اپنی فطری استعداد و قابلیت کے مطابق پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اسی طرح مریدین پر پوری توجہ رکھتے تھے۔ اور اُن کے اخلاق و اعمال کی تہذیب و تکمیل میں کوشاں رہتے تھے۔ کسی سے کوئی نذر و نیاز نہیں لیتے تھے۔ بلکہ جو مستحق ہوتے تھے۔ اُن کی حتی الوسع امداد فرمایا کرتے تھے۔ اس معاملے میں اپنے بیگانے سے یکساں سلوک تھا۔ اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کی تھی۔ اور یہ آپ ہی کا فیضانِ نظر تھا۔ کہ آپ کے تمام فرزند علم و فضل میں یکتائے زمانہ ہوئے۔

آپ نے اپنی آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں میں جو موروثی جائداد دستبردِ زمانہ سے بچ رہی تھی۔ اُس کو اپنی اولاد اور اپنے برادرِ اصغر مفتی غلام رسول میں تقسیم کر دیا۔ مسجد مفتیاں

ایک درویش نور احمد ناقی کے زیر نگرانی تھی۔ اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نو نہال سنگھ خلف مہاراجہ کھڑک سنگھ کے داروغۂ اصطبل مسمی دلاور خاں رام پوری کے ساتھ سازباز کرکے مسجد کے صحن کی کچھ زمین اُسے حویلی تعمیر کرنے کے لیے دے دی۔ اور کچھ مسجد کے حجرے گرا کر اپنے رہنے کے لیے مکان بنا لیا۔ آپ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی عدالت میں مستغیث ہوئے۔ اس نے اکابر لاہور کی شہادت اور قدیم خاندانی دستاویزات ملاحظہ کرنے کے بعد نور احمد درویش کو بے دخل کرکے مسجد و مکان آپ کو واپس دلا دیا۔ اور دلاور خاں رام پوری سے حویلی کی زمین کا کرایہ نامہ لکھوا دیا۔ چنانچہ دلاور خاں ۱۸۵۱ء تک کرایہ ادا کرتا رہا۔ پھر بند کر دیا۔ آپ نے سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ اس نے سابقہ کرایہ اور زمین کی قیمت دلاور خاں سے آپ کو دلا کر مقدمہ داخل دفتر کر دیا۔ (اس فیصلے کے تمام کاغذات راقم الحروف کے پاس موجود ہیں) اس فیصلے کے بعد آپ نے یہ مکان اپنے فرزند اکبر مولانا مفتی سید محمد (راقم کے دادا) کو تفویض کر دیا۔ اور مسجد کی امامت و خطابت اور تولیت بھی انہی کے سپرد کر دی۔

۹ ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں وفات پائی۔ مرقد شریف گورستان بی بی پاک دامناں میں ہے۔ قبرستان کی یہ زمین حضرت مولانا مفتی غلام سرور مرحوم نے خریدی تھی۔ خاندان کے اکثر و بیشتر بزرگ اسی جگہ مدفون ہیں۔ حال ہی میں برادر محترم لفٹیننٹ کرنل مفتی محمد افتخار الدین خلف مولوی مفتی مظفر الدین نے کچھ اور زمین خرید کر شامل قبرستان کر دی ہے۔ اور اس کے ارد گرد پختہ دیوار بھی بنوا دی ہے۔ برادر محترم کا یہ ہم سب پر احسان عظیم ہے۔ ایزد تعالیٰ انہیں اس کار خیر کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

اولاد۔ فرزند:- (۱) مولانا مفتی سید محمد۔

(۲) مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد۔

(۳) مولانا مفتی غلام سرور۔

دختر (۱) زیب النساء بیگم زوجہ حسن علی بن لطف علی قریشی ہاشمی۔

(۲) فاطمہ بی بی زوجہ مفتی صدر الدین قریشی ہاشمی سہروردی۔

تلامذہ :۔ حکیم محمد بخش قریشی۔ حکیم سید مہر علی شاہ ۔ مولوی عبدالحق لاہوری آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ جو علوم طبیہ و شرعیہ میں فاضل زمانہ ہوئے ہیں۔

معاصرین :۔ مولانا غلام رسول فاضل لاہوری۔ مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری مولانا جان محمد لاہوری آپ کے قابلِ ذکر ہم عصر ہیں۔

لہ لاہور کے نامور اطبار میں سے تھے۔ بڑے بڑے فضلائے زمانہ نے آپ سے طب پڑھی تھی جن میں حکیم احمد دین شارح موجز حکیم مفتی سلیم اللہ خاں اور مولوی حکیم غلام مصطفیٰ خاص طور پر قابل ہیں۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۶ء میں وفات پائی۔ "مہربان محمد بخش" ۱۲۹۲ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

سلہ مولانا غلام فرید لاہوری کے فرزند اکبر تھے۔ لاہور کے مشاہیر علمار و فضلار میں سے تھے۔ تفسیر وحدیث اور فقہ و ادب میں یگانۂ روزگار تھے۔ درس و تدریس لاثانی تھے۔ علوم عقلی و نقلی میں بحر عمیق تھے۔ مبتدی ومنتہی شریک درس ہو کر اخذ فیض کرتے تھے۔ ۱۲۷۵ھ میں وفات پائی۔ "چراغِ ولی" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

سلہ مولانا غلام فرید لاہوری کے فرزند دوم تھے۔ لاہور کے اکابر علمار و فضلار میں سے تھے استاد کل اور مظہر کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ جود و سخا، علم و فضل، محبت و شفقت اور درس و تدریس میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی ذات جامع علوم و فنون تھی۔ تفسیر و حدیث فقہ و ادب اور تاریخ و لغت میں بے نظیر و بے عدیل تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ "غلام اللہ حق آگاہ" ۱۲۷۳ تاریخ وفات ہے۔

کلہ لاہور کے جید علمار و مشائخ میں سے تھے۔ بڑے عابد و زاہد۔ کتاب و سنت کے پابند۔ اور جامع علوم تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزاری۔ مسجد ثانی ایمان والا کشمیری بازار میں درس دیا کرتے تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ زبدۃ التفاسیر۔ رسالہ اثبات خلافت امیر معاویہ۔ شرح قصیدہ بردہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔ "چراغ دین" ۱۲۶۸ تاریخ وفات ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات

چوں شد از جہاں در بہشت معلی — غلام محمد امین محمد

زسرور بتاریخ سال وصالش — ندا شد کہ خورشید دین محمد ۱۲۷۱ھ

اولاد امجاد حضرت مولانا حکیم مفتی غلام محمد عارف باللہ قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری قدس سرہٗ

حضرت مولانا مفتی سید محمد رحمۃ اللہ علیہ

فرزند اکبر

اپنے عظیم المرتبت والد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ صاحب علم و عمل تھے۔ تفسیر و حدیث۔ فقہ و ادب۔ اور فروع و اصول کے فاضل تھے۔ اپنے والد ماجد ہی کی زندگی میں درس دیا کرتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد مفتیاں کی امامت و خطابت اور تولیت بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ فریضۂ حج اور مقامات مقدسہ ہند و عرب کی زیارت کے لیے اپنے برادر نسبتی مولوی عمر بخش قریشی کی معیت میں سفر اختیار کیا۔ چنانچہ پہلے اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ پھر اُچ گئے۔ اور حضرت سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری مرید و خلیفۂ اعظم حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت مخدوم سید جلال الدین بن سید احمد کبیر مرید و خلیفۂ حضرت ابو الفتح شیخ رکن الدین ملتانی کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ یہاں سے سیوستان آئے۔ اور حضرت شیخ سید عثمان مخدوم لال شہباز قلندر کے روضہ پر فاتحہ خوانی کی۔ یہاں سے کوٹ مٹھن پہنچے۔ اور ارادہ تھا کہ یہاں سے بذریعہ دخانی جہاز کراچی تک سفر کریں گے۔ اور وہاں سے مکہ معظمہ روانہ ہوں گے۔ کہ یہاں سفر دار البقاء پیش آگیا۔

اور دو ماہ شعبان سنہ ۱۲۸۰ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ جناب مولوی محمد بخش قریشی نے تجہیز و تکفین کی۔ اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

اولاد:۔ فرزند (۱) مفتی محمد چراغ دین اور سیر۔

(۲) مولوی حاجی مفتی جلال الدین سہروردی چشتی۔

دختر (۱) حمیدہ بیگم زوجہ مولوی مفتی ضیاء الدین خلف مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد مرحوم۔

تصانیف (۱) کتاب خلاصۃ المدارج۔ فارسی کی ضخیم کتاب مدارج النبوت مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب کا جامع خلاصہ ہے۔

(۲) مخزن الفرائض:۔ اس کتاب میں احکام اسلام اور فرائض دینیہ کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۳۔۴) اصول حدیث اور فقہ محمدی ان دونوں کتابوں میں علم حدیث و فقہ کی تاریخ اور ان کے اصول و ضوابط کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتابیں آج کل نایاب ہیں۔

قطعۂ تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی غلام سرور مرحوم۔

سفر ورزید چوں سید محمد — سوئے دار البقا خوشحال و خوشتر
بصد افسوس تاریخش خرد گفت — بگو روح مسافر شد مسافر ۱۲۸۰ھ

مفتی محمد چراغ دین روشن اوورسیئر

حضرت مولانا مفتی سید محمد مرحوم کے فرزند اکبر تھے۔ "چراغ دین" (۱۲۶۸ھ) آپ کا تاریخی نام ہے۔ روشن تخلص رکھتے تھے۔ ابھی بارہ برس ہی کے تھے۔ کہ پدر بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے تعلیم کی طرف پوری توجہ رکھی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مسٹر باگ سن جنہوں نے ٹاؤن ہال لاہور کی عمارت کا ڈیزائن تیار کیا تھا۔ اس سے بلڈنگ ڈرائینگ اور مسٹر ٹپل جن کی نگرانی میں ٹاؤن ہال تعمیر ہوا تھا۔ سروے سیکھی۔ یہ دونوں حضرات حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اُن سے اُردو پڑھی تھی۔ ۱۸۷۵ء سے لے کر ۱۸۹۵ء تک لاہور میونسپل کمیٹی کے سروسیئر رہے۔ پھر سروے آف انڈیا کے محکمے میں چلے گئے۔ پانچ سال تک وہاں رہے پھر قریباً دس سال تک ریاست نابھہ اور پٹیالہ کے محکمۂ تعمیرات میں اوورسیئر رہے یہاں سے سبکدوش ہوئے۔ تو خان بہادر ڈپٹی بشیر علی خاں مرحوم خلف ڈپٹی برکت علی خاں مرحوم نے میاں چنوں ضلع منٹگمری میں اپنی اراضی کی آبادی کاری کے لیے ایک معقول مشاہرہ پر بھیج دیا۔ مگر وہاں سے آپ .. خرابیٔ بینائی کے باعث واپس آگئے۔ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۰ء کو ۵ ماہ اپریل میں ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اپنے احاطہ گورستان میانی صاحب میں مدفون ہوئے۔ دو فرزند اور تین لڑکیاں اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

فرزند:- (۱) مفتی محبوب عالم۔

(۲) مفتی محمود عالم (راقم الحروف)

دختر:- (۱) زبیدہ بیگم۔

(۲) اعجاز بیگم۔

(۳) سرفراز بیگم۔

تصنیف :۔ کتاب سراج الحساب۔ علم ریاضی و مساحت میں ہے۔ کئی بار طبع ہو کر شایع ہوئی۔ شعر و شاعری میں بھی مذاق سلیم رکھتے تھے۔ اپنے عم بزرگوار حضرت مولانا مفتی غلام سرور سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

نمونۂ کلام :۔ خیالات سیدھے سادے ہیں۔ اور جذبات کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔ تمام کلام میں محاورہ و روزمرہ کی چاشنی پائی جاتی ہے۔

اُردو :۔

درد مندوں کا زمانے میں پتہ ملتا نہیں — وائے صد حسرت کہ کوئی آشنا ملتا نہیں
اہل دل آہ کو جس دم کہ ہوا دیتے ہیں — دامنِ برق کو اک آگ لگا دیتے ہیں
جلے اک آن میں برقِ شررہ بار — اگر دیکھے میرے سوزِ جگر کو

فارسی :۔

برغم بہ ساز زیستی و بہشتی باز آ — کہ نیست خانۂ دنیائے دوں سرائے سرور
گل از گلزار جنبش گل بچینند
چوں روئے آں سمن اندام بیند

شاگرد :۔ سینکڑوں تھے۔ جن میں سے کئی ایک اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہوئے۔ مثلاً
خان بہادر عبدالعزیز اسسٹنٹ انجینیر نارتھ ویسٹرن ریلوے (حال پی ڈبلیو آر)
کشن چند ہیڈ ڈرافسمین و چیف سرویر لاہور میونسپل کمیٹی۔
میاں جلال الدین ایس ڈی او محکمۂ تعمیرات ریاست جموں و کشمیر۔
میاں سراج الدین چیف ڈرافسمین محکمۂ تعمیرات حکومت پنجاب۔

مؤخرالذکر دونوں حضرات نے تادم زیست اپنے محترم استاد کے ساتھ نہایت عقیدت مندانہ اور فیاضانہ سلوک روا رکھا۔

مفتی محبوب عالم

مفتی محمد چراغ دین روشن آنریبیر کے خلف اکبر تھے۔ رنگ محل مشن ہائی سکول سے فارغ التحصیل ہو کر پہلے لاہور میونسپل کمیٹی میں ملازم ہوئے۔ پھر ۱۹۲۰ء میں مشرقی افریقہ ٹانگا نیکا ریلوے میں ملازم ہو کر چلے گئے۔ ۱۹۲۳ء میں دو ماہ کی رخصت پر وطن آئے شادی کی اور پھر دوبارہ افریقہ چلے گئے۔

دوسری جنگ عظیم میں ریلوے کی ملازمت ترک کر کے محکمۂ فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۵ جون ۱۹۴۳ء اچانک بیمار ہو کر بمقام سیشل لاولد وفات پائی۔ مرحوم بھی اُردو کے خوش فکر شاعر تھے۔ ایک دفعہ افریقہ سے اپنی ایک غزل بھیجی تھی۔ جس کے اس وقت صرف دو شعر یاد ہیں۔

اُس فتنۂ شباب کے عالم کو دیکھ کر — میدان حشر کی نہ تمنا کرے کوئی
آنکھیں وہ مے فروش کہ توبہ کو توڑ دیں — چہرہ وہ دلفریب کہ دیکھا کرے کوئی

مفتی محمود عالم

راقم الحروف، مفتی محمد چراغ دین روشن زود سیہ کا فرزند دوم ہے۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۶ء بروز چہارشنبہ فیروزپور میں پیدا ہوا۔

تعلیم:- اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ اور گورنمنٹ ریلوے ٹکنیکل سکول میں پائی۔ وائی۔ ایم۔ سی اے کالج سے جونیئر انگلش کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۲۴ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد دو سال ایم ای ایس میں اور دو سال پی ڈبلیو ڈی میں ملازم رہا۔ ۱۱ فروری ۱۹۲۹ء میں نارتھ ویسٹرن ریلوے (حال پی ڈبلیو آر) میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے ہیڈ کوارٹرز آفس میں ٹیکنیکل ڈرافسمین ملازم ہوا۔ اور مارچ ۱۹۶۱ء میں ۵۵ برس کی عمر میں ریٹائر ہوا۔

خاندانی تعلیم وتربیت اور علمی ماحول نے اوائل عمر ہی میں شعر وادب اور تاریخ وتصوف سے دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ اس لیے زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ علمی وادبی مشاغل میں گذرا۔ دارالعلوم السنۂ شرقیہ برائے طلبہ وطالبات میں استاذ محترم جناب آقا بیدار بخت ایم اے ایم او ایل ایل بی کے ایماء سے اعزازی طور پر سالہا سال پڑھایا۔ اور یہ سلسلہ ۱۹۳۵ء سے لے کر تا حال کسی نہ کسی صورت میں بقدر امکان اب بھی جاری ہے نیز کئی سال تک پنجاب کی معروف علمی وادبی انجمن حلقۂ ارباب علم کا سیکرٹری رہا۔ اور کئی ایک علمی وادبی مقالے لکھے۔ مثلاً:-

(۱) غالب بحیثیت شاعر

(۲) غالب کا بیان تصوف۔

(۳) اُردو کا آغاز۔

(۴) اکبر الہ آبادی کی طنزیہ شاعری۔

(۵) اردو شاعری میں طنز و مزاح۔

(۶) اقبال اور تصوف۔

(۷) اقبال کا نظریۂ وطنیت و قومیت۔

(۸) خواتین اسلام کی علمی خدمات۔

(۹) شوکت علی فانی بدایونی۔

(۱۰) شاعری میں سرقہ و توارد کی حیثیت۔

(۱۱) غلط عام اور غلطِ عوام۔

(۱۲) قافیہ و ردیف کی ضرورت و اہمیت۔

(۱۳) مولانا محمد علی جوہر بحیثیت شاعر۔

(۱۴) مفتی غلام سرور لاہوری اور اُن کی تصنیفات۔

(۱۵) مفتی غلام سرور لاہوری۔

(۱۶) بنگال میں اردو شاعری۔

(۱۷) بنگال میں صوفیائے اسلام کی اشاعت اسلام۔

(۱۸) اردو کی متصوفانہ شاعری۔

یہ تمام مقالات حلقۂ ارباب علم میں پڑھے گئے۔ اور مختلف رسائل میں شایع ہوئے۔ علم طب کا بھی شوق تھا۔ اسے بھی پڑھا۔ چنانچہ آج کل مطب و دواخانہ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہے۔ ان دنوں حضرت مولانا مفتی غلام سرور کی شہرۂ آفاق کتاب خزینۃ الاصفیاء کا تلخیص و ترجمہ کر رہا ہوں جو سات حصوں میں ختم ہوگا۔ اب تک چار حصے ختم ہو چکے ہیں۔ اس کی ترتیب یوں ہے۔

حصہ اول۔ خلفائے راشدین۔ صحابہ کرام۔ ائمہ دین اور علمائے امت۔

حصہ دوم۔ بزرگان سلسلۂ قادریہ

حصہ سوم 〃 〃 چشتیہ۔

حصہ چہارم 〃 〃 نقشبندیہ۔

حصہ پنجم۔ بزرگان سلسلۂ سہروردیہ۔

حصہ ششم:۔ وہ صوفیا، وصلحا، جو ان سلاسل اربع سے تعلق نہیں رکھتے۔

حصہ ہفتم:۔ فارسی و اردو کے ممتاز شعراء۔

تمام بزرگوں کے حالات نہایت ایجاز و اختصار مگر جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ منظوم قطعات ولادت و وفات بھی ساتھ درج ہیں۔ یہ کتاب گویا تاریخ و ادب کا ایک مرقع ہوگی۔

تین فرزند اور چار لڑکیاں اولاد سے ہیں۔

فرزند (۱) مفتی نیر محمود۔

(۲) مفتی مظہر محمود۔

(۳) مفتی اظہر محمود۔

دختر (۱) ندیم فاطمہ زوجہ حمید احمد خاں بی اے بی ٹی۔

(۲) نعیم فاطمہ زوجہ حکیم سید ریاض علی شاہ

(۳) طلعت جبین۔

(۴) ثروت جہاں۔

نیر محمود محکمۂ پی ڈبلیو آر کے شعبہ ٹرین لائیٹنگ میں ملازم ہے۔ اور مطب و دواخانہ ہاشمیہ کا نگران ہے۔ طب بھی پڑھ رہا ہے۔ عنقریب مستند حکیم ہو جائے گا۔ مظہر محمود طب بھی پڑھ رہا ہے۔ پی ڈبلیو آر انجینئرنگ ٹریننگ سنٹر میں اپرنٹس ہے انشاء اللہ دو سال تک فارغ التحصیل ہو کر ریلوے مکینیکل انجینئرنگ سروسز میں آجائے گا۔

اظہر محمود۔ طلعت جبین اور ثروت جہاں زیر تعلیم ہیں۔

ندیم فاطمہ کے دو فرزند وحید احمد اور نوید احمد اور دو لڑکیاں صولت و نزہت ہیں۔ حمید احمد خاں بی اے بی ٹی وطن ہائی سکول میں انگریزی و حساب کے معلم ہیں۔

نعیم فاطمہ کے چار فرزند سعید۔ رشید۔ فرید اور عرفان ہیں۔ عزیزم حکیم ریاض علی شاہ کا اپنا دواخانہ ہے۔ اور سعید لیبارٹریز کے نام پر کاروبار کا سلسلہ بھی ہے۔ سکونت گو ملتان میں ہے۔ اب حال ہی ہیں لاہور میں مطب و دواخانہ جاری کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ترقی دے۔

لن خلف مولوی حکیم ابو سعید مرحوم بن مولوی حکیم علی احمد قریشی بجواڑوی، ہوشیار پوری راقم الحروف کا خواہرزادہ بھی ہے۔ یعنی میری چھوٹی ہمشیرہ سرفراز بیگم کے دو فرزند اور ایک دختر ہے۔ یہ فرزند اکبر ہے۔ اور فرزند دوم فیاض علی ہے۔ دختر عزیزی وسیم فاطمہ زوجہ سید اسلم شاہ خلف سید اقبال علی شاہ ہے۔ عزیزم کے والد مولوی حکیم ابو سعید اپنے زمانے کے فاضل اور مشاہیر اطبار میں سے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں وفات پائی۔ مرحوم موضع بجواڑہ ضلع ہوشیارپور کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم پاک و ہند کے بعد پہلے لاہور اور پھر ملتان میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ راقم کی منجھلی ہمشیرہ اعجاز بیگم آج کل بمبئی ہیں اپنی دختر عزیزی جمیلہ کے پاس ہے۔ عزیزی جمیلہ کے خاوند ڈاکٹر رشید تقسیم پاک و ہند سے پہلے بہ سلسلۂ ملازمت بمبئی میں مقیم تھے۔ عزیزی کی دو لڑکیاں ناہید و تنویر ہیں۔ اور زیر تعلیم ہیں۔ عزیزی جمیلہ بھی ایک ہائی سکول میں معلمہ ہے۔ عزیزہ پنجاب ہی سے ادیب عالم اور ایف اے پاس کر کے گئی تھی۔ ہمشیرہ اعجاز بھی ادیب عالم پاس ہیں۔ یہ بھی پہلے ایک سکول میں معلمہ تھیں۔ مگر آج کل نہیں ہیں۔ بڑی ہمشیرہ زبیدہ بیگم نے ۲۷ مارچ ۱۹۶۳ء میں وفات پائی۔ مرحومہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ میری رفیقۂ حیات حفیظہ بیگم بنت مولوی محمد دین مرحوم ہے۔ ایزد تعالیٰ بیگم صاحبہ کو اس سے کہیں اور زیادہ ہمت و استقلال اور فہم و تدبر میں حصۂ وافر بخشے۔ تاکہ خاندان و اولاد کے لیے بہترین نمونہ ہوں۔

مولوی حاجی مفتی جلال الدین سہروردی چشتی

حضرت مولانا مفتی سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دوم تھے۔ مولانا محمد بخش بلبل مدرس و خطیب مسجد ملا جیند سے عربی و دینیات پڑھی تھی۔ تمام عمر اپنی آبائی مسجد مفتیاں میں امامت اور درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اوائل عمر میں گورنمنٹ پریس میں بھی کچھ عرصہ ملازم رہے۔

۱۸۹۰ء میں اپنے عم محترم حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے ہمراہ حج کے لیے گئے فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں حضرت مولانا مفتی غلام سرور تو اچانک بیمار ہو کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اور آپ روضۂ نبوی کی زیارت سے مشرف ہو کر آئے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے اور حضرت مولانا مفتی غلام سرور نے حضرت شیخ العالم مولانا حاجی امداد اللہ[۱] قدس سرہ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔

---

[۱] آپ یوپی تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد اپنے وطن سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی المتوفی ۱۲۶۳ھ جو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے داماد و شاگرد تھے اُن کے ایک مرید و شاگرد مولانا سید نصیر الدین دہلوی المتوفی ۱۸۴۰ء کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ نیز حضرت شاہ محمد اسحاق کے ایک اور خلیفہ شیخ نور محمد جھنجانوی سے چاروں سلسلوں میں بالعموم اور طریقۂ چشتیہ صابریہ میں بالخصوص تکمیل سلوک کی تھی۔ اُس وقت ابھی حضرت شاہ محمد اسحاق بھی زندہ تھے۔ اور حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد کے ناکام ہو جانے کے بعد دہلی سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہو چکے تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے ان سے بھی براہ راست فیوض و برکات حاصل کیے تھے۔ آپ نے مکہ معظمہ ہی میں ارشاد و (باقی برص۸۳)

۱۵ رجب ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۰ء میں ۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی راقم کے عم بزرگوار تھے۔

بقیہ حاشیہ صہ ۸۲) ہدایت کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ اور حرم شریف میں حضرت امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم اور مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے۔

غذائے روح۔ ضیاء القلوب۔ تحفۃ العشاق۔ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا فیض الحسن محدث سہارنپوری مولانا اشرف علی تھانوی ایسی اکابر ہستیاں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھیں۔ ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد قریشی اسدی

الہاشمی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حکیم مفتی غلام محمد عارف باللہ قدس سرہٗ کے فرزند دوم تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق اپنے والد ماجد ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ علم طب بھی انہی سے پڑھا۔ قرآن شریف بھی اُنہی کی زیر نگرانی حفظ کیا۔

آپ علوم دینیہ کے فاضل۔ صاحب علم و عمل۔ قاریٔ خوش الحان، فن قرأت کے ماہر اور طبیب حاذق تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بھی اپنے پدر بزرگوار ہی سے بیعت تھے۔

تمام عمر درس و تدریس اور طبابت میں گذاری۔ مسجد محلہ ملتانیاں کی امامت و خطابت اور تولیت بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ درس و تدریس کا سلسلہ اپنے بزرگ والد ہی کی زندگی میں شروع کر دیا تھا۔ آپ کے حلقۂ تربیت سے بڑے بڑے حفاظ و قاری فیض یاب ہو کر نکلے۔ ایک بالغ نظر طبیب ہونے کی حیثیت سے بھی ایک خلق کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے استفادہ کیا۔

آپ نہایت ہی متوکل، و متورع اور متواضع تھے۔ امور شرعیہ کی پابندی آپ کا شعار خاص تھا۔ سلسلۂ سہروردیہ میں صاحب ارشاد تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں مرقوم ہے۔ آپ کے عظیم المرتبت والد نے تین سو سے زیادہ قرآن شریف اپنے قلم سے رقم فرمائے تھے۔ چنانچہ جب آپ قرآن شریف ختم کر لیتے۔ تو آپ ہی سے پڑھوا کر عبارت کی تصحیح کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

مرقد گورستان بی بی پاک دامناں میں ہے۔ تین فرزند اور ایک دختر اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

فرزند - (۱) مفتی ضیاء الدین -

(۲) مفتی مظفر الدین -

(۳) مفتی فصیح الدین

دختر - ہویدا بیگم -

قطعۂ تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی غلام سرور قدس سرہٗ -

چوں اسپ از جہاں بجلد برین   تیز را ند حافظ کلام اللہ!

دامنِ ہمتِ خود از دنیا   خوش فشاند حافظ کلام اللہ

وقت رحلت بیاد خویش آورد   آنچہ خواند حافظ کلام اللہ

سال تاریخ رحلتش سرور

گو نماند حافظ کلامؐ اللہ ۱۲۹۱ھ

دیگر

چوں غلام احمد آں مرد خدا   جاں سپرد آخر بنام احمدی

وقت رحلت یافت از فضلِ آلہ   بادۂ الفت ز جام احمدی

سرورا تاریخ سالِ رحلتش

گو محب حق غلامؐ احمدی ۱۲۹۱ھ

مولوی مفتی ضیاء الدین

حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے۔ حمیدہ بیگم بنت حضرت مولانا مفتی سید محمد آپ کے نکاح میں تھیں۔ عین عالم جوانی میں وفات پائی۔ دو لڑکیاں مالک بیگم زوجہ حکیم مفتی محمد انور خلف حضرت مولانا مفتی غلام سرور اور مبارک بیگم زوجہ حسین علی شاہ اولاد سے تھیں۔ مشیت ایزدی سے ان دونوں مرحومہ و مغفورہ کی بھی کوئی اولاد نہ تھی۔

مولانا مفتی مظفرالدین

حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دوم تھے۔ اپنے والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد مسجد محلہ ملتانیاں ہی میں اپنے بزرگ والد کے جانشین ہونے کی حیثیت سے امامت و خطابت اور درس و تدریس کے فرائض نہایت خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ علم و فضل، بزرگی، شفقت و محبت اور دینداری و پرہیزگاری میں آیتِ خوبی تھے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں ۸۰ برس کی عمر میں سفرِ دار البقار کیا۔ مرقد احاطہ بی بی پاک داماں میں ہے۔ تین فرزند اور چار لڑکیاں اولاد یادگار چھوڑیں۔

فرزند (۱) مفتی غلام زین العابدین اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر۔

(۲) کرنل مفتی محمد افتخار الدین۔

(۳) مولوی مفتی لامع الدین۔



مولانا مفتی مظفر الدین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ

دختر (۱) ارشاد بیگم زوجہ سردار علی شاہ قریشی۔

(۲) متبرک بیگم زوجہ سید خورشید حسن۔

(۳) عقیلہ بیگم زوجہ حمید الدین قریشی مرحوم۔

(۴) رقیہ بیگم زوجہ سید ریاض الحسن برنی۔

مفتی غلام زین العابدین

جناب مولوی مفتی مظفر الدین مرحوم کے فرزند اکبر تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد محکمہ نارتھ ویسٹرن ریلوے حال (پی ڈبلیو آر) میں ملازم ہوئے۔ اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر کے معزز عہدے پر فائز ہو کر ریٹائر ہوئے۔ آپ کی محنت و لیاقت اور حسن قابلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزی حکومت نے آپ کو "خان صاحب" کے امتیازی خطاب سے نوازا مگر آپ اس درجہ مستغنی المزاج تھے کہ اس خطاب کو کبھی اپنے نام کے ساتھ نہیں لکھا۔ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ۔ بے حد شفیق وخلیق اور مرنج ومرنجاں تھے۔ چھوٹے بڑے آپ کے اوصاف پسندیدہ کے مداح تھے پابند صوم وصلوٰۃ اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اعلیٰ عہدہ پر پہنچ کر بھی کسی انسانی کمزوری سے ملوث نہیں ہوئے۔ ۱۰ر جون ۱۹۵۲ء کو سفر دار الآخرت کیا۔ گورستان بی بی پاک دامناں میں مدفون ہوئے حق مغفرت کرے۔

پانچ فرزند اور چار صاحبزادیاں اولاد سے ہیں۔

فرزند (۱) مفتی محمد اکرام الدین۔

(۲) مفتی عبد السمیع۔

(۳) مفتی محمد تقی۔

(۴) مفتی محمد ابوبکر۔

(۵) مفتی انیس الدین۔

دختر (۱) محمودہ اختر۔ زوجہ منظور علی قریشی اسسٹنٹ انجینئر پی ڈبلیو۔ آر۔

(۲) مسعودہ اختر۔ ایم اے الکامس جونیئر آفیسر نیشنل بنک آف پاکستان۔

(۳) یاسمین اختر۔ زوجہ قاضی عبید الرحمان ریجنل ڈائریکٹر ٹیلی ویژن۔

(۴) نجیبہ شاہین۔ زوجہ خالد قریشی اسسٹنٹ ٹریفک مینجر گورنمنٹ ٹرانسپورٹ۔

برادر معظم کی اہلیہ محترمہ غلام صغریٰ بنت عزیز الدین قریشی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنے مدبرانہ و شفیقانہ خصائل میں اپنی مثال آپ ہیں۔ امسال حج کے لیے تشریف لے گئی ہیں ایزد تعالیٰ بخیر و عافیت واپس لائے۔

مفتی محمد اکرام الدین۔

مفتی غلام زین العابدین مرحوم کے فرزند ارشد ہیں۔ ریلوے ورکشاپ میں ملازم ہیں۔ بڑے خلیق و انیس ہیں۔ ایک فرزند اور تین لڑکیاں اولاد سے ہیں۔

فرزند (۱) مفتی معین الدین۔

دختر (۱) عزیزہ عابدہ نرگس مفتی۔

(۲) 〃 فریدہ خانم مفتی۔

(۳) 〃 فرزانہ خانم مفتی۔

عزیزم کی اہلیہ خالدہ سلمہ اللہ تعالیٰ پُرخلوص و ملنسار خاتون ہیں۔

مفتی معین الدین

مفتی محمد اکرام الدین کے فرزند ہیں۔ اے جی آفس میں ملازم ہیں۔ جواں ہمت وصالح نوجوان ہیں۔ والی بال کے اچھے کھلاڑی ہیں۔ کئی بار لاہور ڈویژن کی طرف سے نمائندگی کر چکے ہیں۔ آج کل بی اے کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔

مفتی عبدالسمیع

بی ایس سی آنرز۔ بی ایس سی انجینئرنگ
ایم ایس سی۔ اے ایم آئی ای
(منشی فاضل)

مفتی غلام زین العابدین کے فرزند دوم ہیں۔ آج کل محکمہ واپڈا میں ڈائریکٹر ماسٹر پلاننگ کے معزز عہدے پر فائز ہیں۔ منگلا ڈیم کی تعمیر میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ جہاں اعلیٰ درجے کے انجینئر ہیں۔ وہاں نجوم و شطرنج سے بھی انتہائی دلبستگی و شیفتگی رکھتے ہیں۔ چناں چہ آپ ایک ماہر منجم اور شطرنج کے عمدہ کھلاڑی بھی ہیں۔ اس فن میں بڑے بڑے منجم اور شاطر بھی آپ کا لوہا مانتے ہیں۔

اسٹرو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ غرض ہمہ صفت موصوف اور ظاہری و باطنی خوبیوں کے جامع ہیں۔ دو فرزند اور ایک دختر اولاد سے ہیں۔ جو سب کے سب زیر تعلیم ہیں۔

فرزند (۱) مفتی طاہر عزیز سمیع۔

(۲) مفتی عامر عزیز سمیع۔

دختر۔ عزیزہ خولہ مفتی۔

آپ کی زوجہ رضیہ سلطانہ (منشی فاضل) حسن صورت اور حسن سیرت کی مجسمہ ہیں۔ دینی و دنیوی امور میں پوری دست گاہ رکھتی ہیں۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں قوم و ملک کی پرخلوص اور قابل قدر خدمات سر انجام دیتی رہی ہیں۔ بیڈمنٹن کی چمپین ہیں۔ اور یہ شوق تا حال قائم ہے۔

مفتی محمد تقی

بی اے منشی فاضل

مفتی غلام زین العابدین کے فرزند سوم ہیں۔ آج کل محکمہ واپڈا میں اکاؤنٹنٹ ہیں بڑے متین و پرخلوص ہیں۔ تین فرزند اور دو لڑکیاں اولاد سے ہیں۔

فرزند (۱) مفتی عدنان تقی۔

(۲) مفتی عثمان تقی۔

(۳) مفتی نعمان تقی۔

دختر۔ (۱) عزیزہ ہیلا مفتی۔

(۲) نبیلا مفتی۔

مفتی محمد ابوبکر

مفتی غلام زین العابدین کے فرزند چہارم ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد تجارت کو ذریعہ معاش بنایا ہے۔ دوران تعلیم میں حصول پاکستان میں قابل قدر رضاکارانہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ اب بھی رفاہی اور دفاعی کاموں میں سرگرم حصہ لیتے ہیں۔ پیکر محبت و مودت ہیں۔

ایک فرزند اور ایک دختر اولاد سے ہے۔ عزیزم کی زوجہ خانم کے والد بزرگوار مولانا ابوالخیر عبداللہ ایم اے راقم الحروف کے دیرینہ دوست اور کرم فرما ہیں۔ صاحب علم و عمل ہیں۔ اسلامیہ کالج میں لکچرار ہیں۔

فرزند (۱) مبشر ابوبکر

دختر۔ عزیزی عظما۔

مفتی انیس الدین

بی اے منشی فاضل

مفتی غلام زین العابدین کے فرزند پنجم ہیں۔ آج کل اسسٹنٹ ڈائریکٹر اگریکلچر کے عہدے پر فائز ہیں۔ اکونٹسی کے متعدد امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیے ہیں۔ چارڈ اکونٹسی کی بھی ٹریننگ حاصل کی ہے۔ بیڈمنٹن کے نہایت عمدہ کھلاڑی ہیں۔ کئی ایک انعام بھی حاصل کیے ہیں۔ علمی ادبی مذاق بھی رکھتے ہیں۔ کئی ایک افسانوں کے مصنف بھی ہیں۔ سب سے بڑھ کر اسم بامسمیٰ ہیں۔ عنقریب سعودی عرب (ریاض) میں جنرل کنسٹرکٹنگ کمپنی کے اکاونٹنٹ ہوکر جارہے ہیں۔ آپکی اہلیہ شمیم بنت سید ارشاد الدین علوی تقابلی مذہبیات میں درجۂ اول میں ایم اے ہیں۔

لیفٹیننٹ کرنل مفتی محمد افتخار الدین قریشی اسدی الہاشمی چشتی

آر۔پی ای۔ اے۔ایم۔آئی انگلینڈ۔ ایم۔آئی۔ای انڈیا۔ ایم آر ایس انگلینڈ

فرسٹ منٹ ماسٹر آف پاکستان

جناب مولوی مفتی مظفر الدین مرحوم کے فرزند دوم ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایم۔ای۔ایس میں ملازم ہوئے۔ اور اپنی خداداد لیاقت و محنت سے روز افزوں ترقی کی۔ دوران ملازمت میں انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے۔ اور انجینئرنگ کے مختلف شعبوں میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہو کر آئے۔

ملازمت کا تمام عرصہ نہایت اقتدار و ناموری اور حسن قابلیت کے ساتھ گذارا اور قابل قدر تعمیری و اصلاحی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ جس کے اعتراف میں انگریزی حکومت آپ کو مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتی رہی۔ چنانچہ فہرست ذیل سے آپ کی تعلیمی اسناد اور جن جن عہدہ ہائے جلیلہ پر متمکن ہوتے رہے۔ پوری آگہی ہو جاتی ہے۔

ENGINEERING AND TECHINICAL QUALIFICATIONS.

DEGREES.

1. EXAMINATIONS PASSED WITH CREDIT AS GRADUATESHIP OF CHARTERED STRUCTURAL ENGINEERS, INDIA. 1935.

2. MEMBERSHIP EXAMINATION OF INSTITUTION OF CHARTERED STRUCTURAL ENGINEERS OF ENGLAND. 1936.



(دائیں جانب سے) کرنل مفتی محمد افتخار الدین ہاشمی (۲) مرحوم غلام محمد سابق صدر پاکستان



سیّد سہیل ریاض

متبنیٰ محترمہ مرحومہ عزیز بیگم رحمہا اللہ

3. MEMBERSHIP OF CHARTERED INSTITUTION OF ENGIN-EERS OF INDIA. 1939.

NOTE—HIGHER QUALIFICATIONS THAN

B. SC. ENGINEERING.

4. MEMBER OF ROYAL SANITORY ENGINEERS OF ENGLAND 1935.

5. WATER DIVING FROM SUBMARIANES ENGINEERS, ENGLAND. 1933-34.

6. QUALIFIED AS A CHEMICAL WARFARE INSTRUCTOR. 1938-39

SERVICE BEFORE PARTION

1 CLASS I CIVIL ENGINEERS IN M.E.S. 1936-38

2. KINGS COMMISSIONED IN INDIA ENGINEERS AND POSTED AS A GARRISON ENGINEER WITN THE RANK OF CAPTAIN IN NOWSHERA. 1941-42

3. GARRISON ENGINEER WITH THE RANK OF MAJOR IN NORTHERN, EASTEAN, AND WESTERN COMMANDS OF UNITED INDIA.

4 ASSTT; COMMANDING ROYAL ENGINEERS (ELECTRICAL AND MECNANICAL) BENGAL DISTRICT CALCUTTA. 1938-39

5. ASSTT; COMMANDING ROYAL ENGINEERS (WORKS), BENGAL DISTRICT CALCUTTA

6. RESPONSIBLE FOR THE REVISION OF MILITARY

ENGINEERING SERVICES HAND BOOK VOLUME I.

7. SERVICE WITH TROOPS OVERSEAS IN MIDDLE EAST INCLUDING IRAQ AND PERSIA.(LINE OF COMMUNICATION IN IRAQ & PERSIA. 1942-43.

8. ACTIVE SERVICE IN SOUTHERN COMMAND WITH THE RANK OF MAJOR. 1943-45

9. STAFF OFFICER FIRST INDIAN MUSLIM, WITH ROYAL ENGINEERS IN SOUTHERN COMMAND. 1943-45

10. CHIEF INSPECTOR OF WORKS AND STORES,(FIRST INDIAN MUSLIM) IN CENTRAL, EASTERN AND NORTHERN COMMANDS IN UNITED INDIA IN THE CAPACITY OF SENIOR ROYAL COMMANDER ENGINEERS WITH THE RANK OF LT. COL. 1944-46.

AFTER PARTITION.

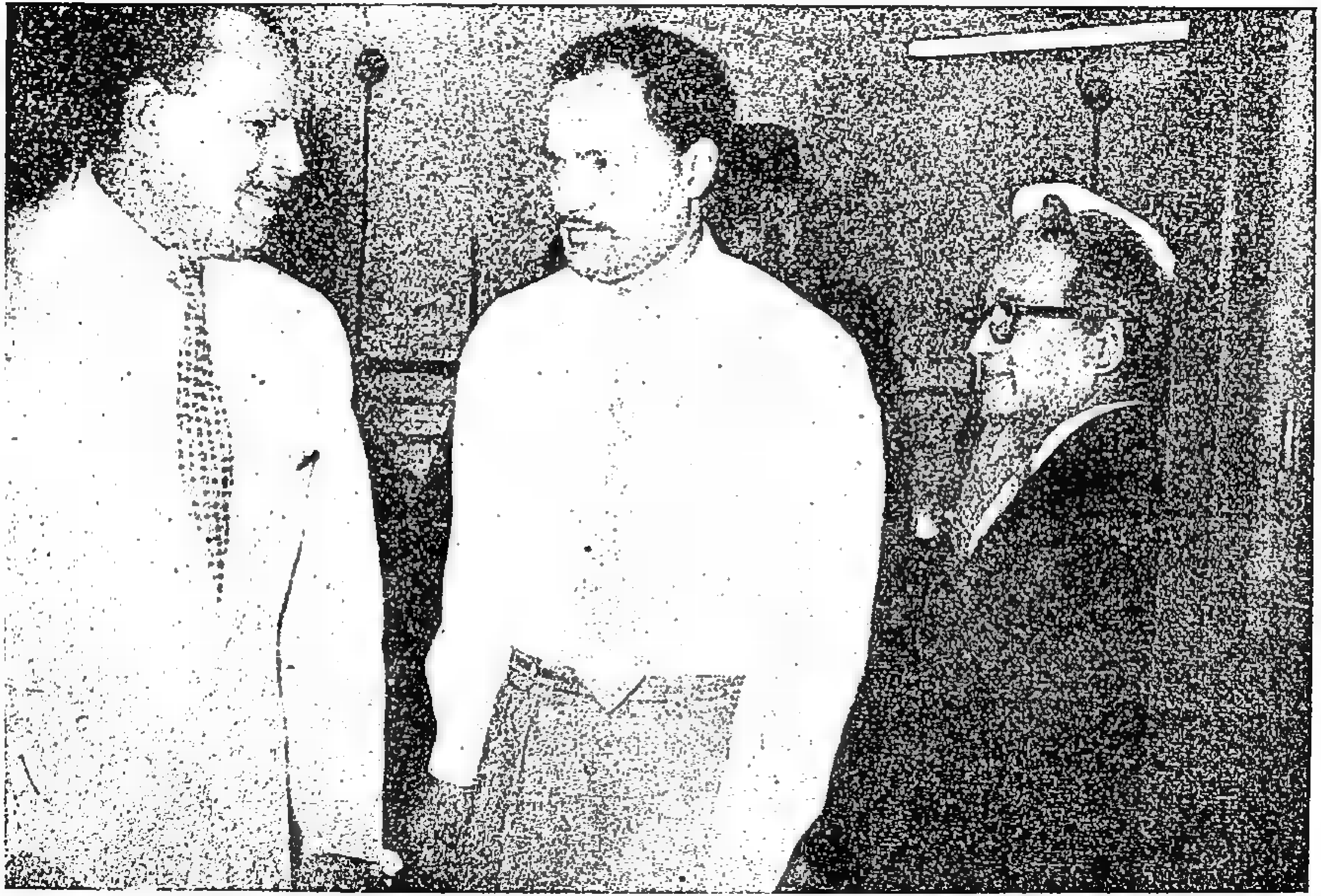
1. FIRST PERMANENT SUPERINTENDING ENGINEER WITH M.E.S. 194045

2. FIRST (PAKISTANI) COMMANDER ROYAL LNGINEERS COMMANDER MILITARY ENGINEERS SERVICE WITH THE RANK OF LT. COL. R.P.E. IN 10 DIV.

3 SUPERIOR CIVIL SERVICE AS FIRST MINT-MASTER OF PAKISTAN AND COMMANDENT OF BATTALION, SELECTED BY THE FEDERAL PUBLIC SERVICE COMMISSION 1948-53 COMMANDENT OF MINT BATTALIAN(55-P-NG.)



ڈاکٹر سید ریاض علی شاہ ایم اے پی ایچ ڈی



(دائیں جانب سے) (۱) ڈاکٹر ایس۔ زیڈ صدیقی (۲) ڈاکٹر سید ریاض علی شاہ (۳) محترم محمد ایوب صدر پاکستان

1948–52

DECORATIONS

1. AWARDED HIS MAJISTEY'S CORONATIONS MEDAL.
2. STAR AND MEDAL. 1939–45
3. DEFENCE AND WAR MEDAL 1939–43
4. M.B.E. (MILITARY DIVISION.) 1939–40

JOINED ROTARY ON–3–1939 IN CALCUTTA.

JOINED ROTARY ON 1-5-1953 IN LAHORE.

NOW SENIOR ACTIVE MEMBER.

MEMBER OF THE TRIBUNAL FOR LAHORE DISTRICT (1967–68.)

JIRGA MEMBER

OFFICE HELD IN ROTARY

1. 4 TIMES IN ROTATION SINCE 1954 AS A BOARD MEMBER.
2. CHAIRMAN OF A MAJOR COMMITTEE 5 TIMES SINCE 1954

CLUB DIRECTORS OF

1. CLUB SERVICE.
2. VOCATIONAL SERVICE.
3. INTERNATIONAL SERVICE
4. COMMUNITY SERVICE

} 4 TIMES IN ROTATION.

CLUB SECRETARY.

1. 3 TIMES IN ROTATION. 1954-55 1956 AND IN PART 1957.
2. DISTRICT CONFERENCE ATTENDED THRICE IN INDIA.
3. CONSTITUTION AND BYE-LAWS COMPILED IN THE

YEAR 1955-56

SOCIAL SERVICE.

INCHARGE OF CONSTRUCTION OF WORK ON BEHALF OF THE ROTARY CLUB OF LAHORE.

PRESIDENT OF ROTARY CLUB LAHORE 1967-68.

ان عہدہ ہائے جلیلہ پر متمکن ہونے کے بعد دسمبر ۱۹۴۸ء میں منٹ ماسٹر ٹکسال پاکستان کے حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ چنانچہ آپ پہلے پاکستانی ہیں جو اس منصب بلند پہ فائز ہو کر ۱۹۵۳ء میں بڑی مصروف، کامیاب اور ہمہ گیر زندگی گذارنے کے بعد ریٹائر ہوئے۔

بہ سلسلۂ فوجی ملازمت آپ کو یورپ و ایشیا کے مختلف ممالک میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ مثلاً یورپی ممالک میں سے انگلینڈ۔ فرانس، جرمنی، بلجیم، پراگ، آسٹریلیا۔ ہنگری، اٹلی وغیرہ۔ اور ایشیائی ممالک میں سے ایران و عراق اور مصر و شام گئے۔ اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے شرف و سعادت حاصل کی۔ اسی طرح اثنائے ملازمت میں سرحد، بنگال، آسام۔ برما، کلکتہ۔ اڑیسہ، پونا، بمبئی، بنگلور اور یوپی وغیرہ میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس چیز نے بھی آپ کے تجربہ و مشاہدہ میں بے حد ترقی دی۔ یہ کہنا نہ بےجا ہے۔ اور نہ مبالغہ۔ بلکہ مبنی برحقیقت ہے کہ آپ ایسے جامع علوم و فنون سرزمین پاک و ہند میں بہت کم پیدا ہوئے ہوں گے۔ سچ ہے ایسے دیدہ ور انسان قدرت صدیوں بعد پیدا کرتی ہے۔

خاندان آپ کی ذات پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ جہاں آپ کے آباؤ اجداد نے علوم اسلامیہ۔ فقہ و ادب۔ تاریخ و حکمت اور شعر و فلسفہ کی صدیوں تک خدمت کی ہے۔ وہاں اُن کی اولادِ امجاد میں سے ایک ایسا فرزند پیدا ہوا۔ جس نے سائنسی علوم کے خاص شعبۂ انجینرنگ میں اپنی ذاتی قابلیت سے گہرے نقوش مرتسم کیے ہیں۔ ان فنی قابلیتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتظامی اور اصلاحی صلاحیتوں سے بھی حصۂ وافر بخشا ہے۔



سید سلیم پرویز حسین بی اے

جس کا اعتراف قائد اعظم محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علی خاں نے اپنے مکتوبات میں کھلے لفظوں میں کیا ہے۔ چنانچہ قائد اعظم نے اپنے ایک مکتوب میں انہیں "بہترین جج" لکھتے ہیں۔ آج کل آپ جرگے کے ممبر ہیں۔

غرض جس طرح آپ نے دوران ملازمت میں اپنی فطری قابلیتوں اور صلاحیتوں سے اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔ اسی طرح آپ اپنے ذاتی اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ میں بھی بے نظیر و بے عدیل ہیں۔ بلکہ اس میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنوں اور بیگانوں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا۔ جس کے ساتھ آپ حسن مروت اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں۔ اور اپنی فراخی قلب و نظر کے باعث حد ممکن تک اس کی اعانت نہ کی ہو۔ بلکہ تا حال اپنی عادتِ قدیم کے موافق اسی طرح اخلاص و مروت کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ اور دوست و دشمن کے ساتھ روش حسن مراعات چلی جا رہی ہے۔ ان گوناگون اوصاف کے ساتھ قدرت کی بے نیازی دیکھئے۔ کہ آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے۔ صرف دو صاحب زادیاں عزیزی اختر پروین اور عزیزہ فرحت ہیں۔

(۱) عزیزی اختر پروین زوجہ ڈاکٹر سید ریاض علی شاہ ایم اے ڈکنولوجی (پی' ایچ۔ ڈی۔ ڈائریکٹر ریسرچ کونسل گورنمنٹ آف پاکستان (کراچی) عزیزہ نے ایف۔ ایس۔ سی پاکستان میں کیا۔ پھر جب اپنے شوہر کے ساتھ انگلینڈ گئیں۔ تو وہاں سوشل سروسز کی ڈگری لی۔ اور تین سال سے زیادہ عرصہ وہاں رہ کر وطن مالوف واپس آئیں۔

(۲) دختر دوم عزیزہ ڈاکٹر فرحت ایم بی بی ایس زوجہ پرویز حسین بی اے آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی ہوم ڈیپارٹمنٹ۔ عزیزی پہلے سر گنگارام ہسپتال میں ڈاکٹر تھیں۔ آج کل فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں لکچرار ہیں۔

برادر محترم کی اہلیہ محترمہ عزیز بیگم ۱۱ اپریل ۱۹۶۵ء میں اللہ کو پیاری ہوئیں۔ فردوس مکان نہایت حلیم و مخلص اور شفیق و انیس تھیں۔ حق مغفرت کرے مرحومہ کا مدفن حضرت شیخ محمد معروف۔ بہ حضرت میاں میر کی درگاہ کے احاطہ میں ہے۔

مولوی مفتی لامع الدین

مولوی مفتی مظفر الدین مرحوم کے فرزند سوم ہیں۔ صاحب علم وعمل اور متدین ومتقی ہیں۔ تمام عمر ملازمت کے بکھیڑوں اور کاروبار کے الجھیڑوں سے اپنی آزادئ طبع کے باعث آزاد رہے۔ مسبب الاسباب نے غیب سے سامان بھی ایسے پیدا کر کہ ساری عمر خوش حالی و فارغ البالی سے گذر گئی۔ خاندان میں صرف آپ ہی مسلک اہل حدیث رکھتے ہیں۔ سات فرزند اولاد سے ہیں:۔

(۱) مفتی فہم الدین۔
(۲) مفتی وحید الدین۔
(۳) مفتی سعید الدین
(۴) مفتی فخر الدین۔
(۵) مفتی نجم الدین
(۶) مفتی ظہیر الدین
(۷) مفتی نصیر الدین۔

ماشاء اللہ سب کے سب فارغ التحصیل۔ صالح۔ سعادت مند اور جوان ہمت ہیں۔

مولانا حکیم مفتی فصیح الدین

حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند سوم تھے۔ اپنے والد ماجد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ طب بھی اُنہی سے پڑھی۔ اندرون کشمیری دروازہ مسجد میاں حاجی محمد رمضان مرحوم کی امامت و تولیت بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ ان فرائض کے ساتھ ساتھ درس و تدریس اور طبابت کا سلسلہ بھی تھا۔ اپنے وقت کے اچھے معالج تھے۔ قدرت نے دستِ شفا بھی بخشا تھا۔ ۱۲ مئی ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔ مدفن گورستان میانی صاحب میں ہے۔ دو فرزند مفتی غلام محمد اور مفتی محمد بشیر اولاد سے تھے:

مولوی مفتی غلام محمد

مولوی مفتی فصیح الدین مرحوم کے فرزند اکبر تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد اُسی مسجد میں امامت و تولیت اور درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جون ۱۹۵۴ء میں وفات پائی۔

ایک فرزند اور تین لڑکیاں اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

فرزند۔ مفتی سید جلال۔

دختر (۱) صغریٰ زوجہ عبدالمجید اکاؤنٹنٹ۔

(۲) نجمہ زوجہ محمد عبدالرؤف۔

(۳) ثریا زوجہ بشیر محمد۔

مفتی سید جلال

مولوی مفتی غلام محمد مرحوم کے فرزند رشید ہیں۔ فارغ التحصیل۔ کم سخن۔ کم آمیز اور صالح نوجوان ہیں۔ گورنمنٹ میڈیکل سٹور میں ملازم ہیں۔ اپنے دادا مرحوم کی مسجد کے متولی بھی ہیں۔ چار فرزند اور دو لڑکیاں اولاد سے ہیں۔ اور سب کے سب زیر تعلیم ہیں۔

فرزند (۱) مفتی سید جمال۔

(۲) مفتی سید کمال۔

(۳) مفتی سید اقبال۔

(۴) مفتی حفیظ الدین۔

دختر (۱) روح افزا

(۲) منیرہ۔

عزیزم کی والدہ حال ہی میں فریضۂ حج ادا کر کے آئی ہیں۔ بڑی پاکیزہ نفس خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے۔

مفتی محمد بشیر

مولوی مفتی فصیح الدین مرحوم کے فرزند دوم ہیں۔ ذریعہ معاش کاروبار ہے۔ مشروبات کی بھی دکان ہے۔ بیرون کشمیری دروازہ سکونت پذیر ہیں۔

اولاد۔ فرزند (۱) محمد لطیف۔

(۲) محمد نذیر۔

حضرت علامہ حاجی حکیم مفتی غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی

سہروردی چشتی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حکیم مفتی غلام محمد عارف باللہ قدس سرہٗ کے فرزند سوم تھے۔ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء میں اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ طب بھی اُنھی سے پڑھی۔ بسلسلۂ سہروردیہ میں بھی اُنھی سے بیعت تھے۔ پھر حضرت مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر علوم تفسیر و حدیث۔ فقہ و ادب۔ صرف و نحو۔ معانی و منطق۔ اصول و فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی۔ اور اپنے زمانے کے عالمِ نبیل۔ فاضلِ جلیل۔ بے مثال ادیب۔ بلند پایہ شاعر۔ بے نظیر تاریخ گو۔ مستند مؤرخ۔ شہرۂ آفاق سوانح نگار۔ ماہر علم لغت۔ اور معلم اخلاق ہوئے۔ ایسے طباع۔ عالی دماغ۔ جامع علوم و فنون، حاملِ کمالاتِ صوری و معنوی سرزمین پاک و ہند میں شاذ ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ نے اپنی بیش بہا اور بلند پایہ تصانیف سے علم و ادب کے ہر شعبہ کو مطالب و معانی اور حقائق و معارف کے گل ہائے رنگا رنگ سے بھر دیا۔

تمام عمر تصنیف و تالیف میں گذاری۔ زندگی کا کچھ اوائل حصہ ملازمت میں بھی گذارا۔ چنانچہ پہلے کچھ عرصہ سردار بھگوان سنگھ[۱] رئیس لاہور و جاگیردار فتح گڑھ چونیاں کی جائداد کے نگران و مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنھیا لال[۲] ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن نے

---

[۱] لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھے۔ ان کا والد راجہ ہرنیس سنگھ خلف راجہ تیجا سنگھ رنجیت سنگھ کے امرا میں سے تھا۔ جس کے سپرد کچھ عرصہ نظامت کشمیر کی بھی رہی تھی۔

[۲] کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل وطن جلیسر ضلع ایٹہ تھا۔ ہندی تخلص کرتے تھے۔ شعر و سخن میں کچھ عرصہ مولوی احمد بخش بیدل سے بھی اصلاح لی تھی۔ فارسی و اردو میں دباقی برصفحہ ۱۰۲

جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اپنے محکمہ میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت دلا دی تھی۔ مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ درحقیقت آپ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے۔ جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لیے موزوں تھی چنانچہ اسی فن میں شہرت و ناموری حاصل کی۔ اور اسی شغل میں عمر عزیز صرف کر دی۔

آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ آپ نے جو نعتیں عشق رسول میں ڈوب کر کہی ہیں۔ وہ آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

آخر آپ کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی۔ اور آپ ماہ جون ۱۸۹۰ء کو اپنے حقیقی برادر زادہ مفتی جلال الدین خلف حضرت مولانا مفتی سید محمد کی معیت میں حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ پہلے آپ حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ ایک روز یہاں قیام کیا۔ پہلا خط آپ نے یہیں سے اپنے فرزند مفتی غلام صفدر وکیل مرحوم کے نام تحریر کیا۔ خیر و عافیت کے بعد لکھتے ہیں:-

"راہ میں کھانے کی تکلیف ہوئی۔ بازاری کھانا بالکل اچھا نہیں۔ خربوزے بھی پھیکے جو شخص مصیبت کا مارا حضرت خواجہ بزرگ کے مزار کے احاطہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ مجاور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ تمام دن میرے ساتھ رہے۔ حالانکہ نذرانہ دے چکا تھا"

(بقیہ ص۱۰۳) بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً:-

(۱) رنجیت نامہ منظوم فارسی میں ہے۔ رنجیت سنگھ کے حالات و واقعات بیان کیے ہیں۔

(۲) نگارین نامہ (قصۂ ہیر و رانجھا) یہ بھی فارسی نظم میں ہے۔

(۳) تاریخ پنجاب (۴) تاریخ لاہور اردو نثر میں ہیں۔ اور زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اخلاق ہندی، بندگی نامہ نصیحت نامہ گلزار ہندی، فارسی و اردو نظم میں ہیں۔ زبان سیدھی سادی ہے۔ خیالات اتنے بلند نہیں۔ فارسی کلام اوسط درجے کا ہے۔ اور تصوف و اخلاق کا رنگ غالب ہے۔

دیوان صاحب سجادہ نشین بڑے تپاک سے ملے۔ دیر تک باہم مجلس رہی۔ ایک لاکھ کے قرض دار ہیں۔ طبع تشیع کی طرف مائل ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد ...... ہمارا قیام مہمان خانہ میں ہے۔ دیوان صاحب نگران حال ہیں۔ آیندہ پیر کے روز جہاز روانہ ہو گا۔ روانگی کے وقت روزمرہ کے حالات کی خبر دوں گا۔"

بمبئی پہنچ کر دوسرا خط لکھا۔ تحریر کرتے ہیں:-

"ہم قاضی عبدالکریم رئیس بمبئی کے مہمان ہیں۔ کھانے میں ابھی تک تکلف باقی ہے۔ مکان ہمارے ٹھہرنے کے لیے ایک عالی شان کوٹھی باغ میں ہے۔ ہر قسم کا سامان آرام و آسایش موجود ہے۔ ملازمت خدمت کے لیے ہر وقت حاضر ہے۔ غرض قاضی صاحب کے کیا کیا احسانات بیان کروں۔ شام کے وقت ایک دوستانہ جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔

جہاز میں مسبب الاسباب دیکھیں۔ کیا سبب پیدا کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آرام کی کیا صورت نکلتی ہے۔ یقین ہے کہ فضل الٰہی ہو گا۔" حج کے بعد بیس ذی الحج کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی۔ پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمعرات کے روز چوبیس ذی الحج ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۴؍ اگست ۱۸۹۰ء کو دارالبقار کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے وفات سے دو گھنٹے پیشتر فرمایا تھا۔ کہ میری نعش مدینہ منورہ لے جا کر جنت البقیع میں دفن کی جائے۔ اس امر کے لیے کوشش بھی کی گئی۔ لیکن موسم کی خرابی اور بیماری ہیضہ کے پھیل جانے کی وجہ سے نعش کا وہاں تک لے جانا مشکل تھا۔ اس لیے مجبوراً منزل بیر بالاحسانی جو مضافات جنگ بدر میں سے ہے۔ سپرد خاک کیے گئے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

جناب مولانا غلام[1] دستگیر قصوری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس طرح آپ کی یہ دلی آرزو پوری ہوئی۔ کہ حجاز جاؤں تو واپس نہ آؤں۔ فرماتے ہیں ؎

ارادہ ہے کہ جب یثرب کو جاؤں یا رسول اللہ — وہاں سے بازپس ہرگز نہ آؤں یا رسول اللہ

آپ کے آخری دیوان وصالِ سرور میں ایک نعتیہ غزل ہے جس کا عنوان ہے۔

غزل در اظہار زیارت حرمین الشریفین

اس نعتیہ غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے مکہ معظمہ میں متعدد نعتیہ غزلیں لکھی تھیں جنہیں آپ روضہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر پڑھنا چاہتے تھے۔ مگر قدرت نے اتنی مہلت نہ دی۔ اور آپ کی یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی۔

ہے پہنچا سرورِ عالم کے آج گھر سرور — کھڑا ہے صورتِ دیوانہ زیرِ در سرور
اب اپنے در پہ رکھو اسے کہ آیندہ — پھرے جہاں میں نہ آوارہ دربدر سرور

زیارت روضۂ اطہر کے متعلق بھی ایک قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھوں گا۔ لیکن یہی قطعۂ تاریخ آپ کی تاریخ وفات بن گیا۔

"ابھی سرور نے کی ہے ۱۳۰۷ھ سرورِ عالم کی پابوسی"

دیگر قطعاتِ تاریخ وفات۔

از مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل

در رہِ یثرب بہ شوقِ روضۂ پاکِ رسول — سرورِ آں شیدائے احمد یافت در جنت مکاں
سالِ ترحیلش سروش غیب در گوش دلم — زد ندا "سرورِ معلی منزلت رفت از جہاں" ۱۸۹۰ھ

---

[1] قصور کے رہنے والے تھے۔ علوم معقول و منقول میں ماہر تھے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ تمام عمر الحاد و زندقہ کے خلاف زبان و قلم سے جہاد کیا۔ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار قصور میں ہے۔ "غفرلہ" تاریخ وفات ہے۔

از مفتی محمد چراغ دین روشن اورسیئر

مفتی غلام سرور چوں رفت از جہاں — گفتم بدل کہ روشن تاریخ آں بگو
بعد از تاملے پئے تاریخ رحلتش! — گفتا غلام سرور صدر جہاں بگو ۱۸۹۰ء

از ڈاکٹر سید علی آلفت

رفت ز دنیا چوں سوئے عقبیٰ — عاشق روئے پیمبر سرور
الفت غمگیں سالِ وفاتش — گفت یتیم مسافر سرور ۱۳۰۷ھ

از مفتی غلام اکبر وکیل

عاشقِ صادق جناب رسول — گئے دنیا سے جانب عقبیٰ؛
سال تاریخ رحلت اکبر نے — شمس علم عاشقِ رسول لکھا ۱۳۰۷ھ

از حکیم مفتی محمد انور

کرد سرور چوں سفر اندر سفر — سوئے حق زیں عالم ناپائیدار
بہر سالِ ارتحالش انورا — گو وصالِ سرورِ عالی تبار ۱۳۰۷ھ

از مولانا پیر غلام[1] دستگیر نامی!

جو کہ مفتی غلام سرور تھے — چاہیئے ان کی برملا تاریخ
چل دیا عاشقِ رسول خدا — آج سرور ہے نامیا تاریخ ۱۸۹۰ء

---

[1] غلام دستگیر نام نامی تخلص والد کا نام پیر حامد شاہ تھا۔ حضرت شیخ عبد الجلیل چوہڑی بندگی قریشی سہروردی المتوفی ۹۱۰ھ کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء سرکاری ملازم ہو گئے۔ عرصہ تک سنٹرل ٹریننگ کالج میں خزانچی رہے۔ ۱۹۳۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ اعلیٰ درجہ کا علمی و ادبی مذاق رکھتے تھے۔ نظم و نثر اور تاریخ گوئی میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ مسائل وراثت پر پورا عبور حاصل تھا۔

انیس الوارثین، اسلامی قانون وراثت، تاریخ جلیلہ، بزرگانِ لاہور آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء میں وفات پائی۔

دیگر

گئے راہِ مدینہ میں گزر آہ | جو تھے اک شہرۂ آفاق سرور
ہوا القا پئے تاریخ نامی | قلم لے کر لکھو مشتاق سرور ۱۳۰۷ھ

اولاد۔ فرزند (۱) مفتی غلام حیدر

(۲) مفتی غلام صفدر۔

(۳) مفتی غلام اکبر۔

(۴) مفتی محمد انور

دختر (۱) اقبال بیگم۔

اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

اخلاق وطرزِ زندگی:۔ شگفتہ مزاج۔ خلیق وشفیق۔ مرنج ومرنجان۔ عابد و زاہد اور صوفی باصفا تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف میں گذاری۔ عشق رسول آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ صحابہ۔ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے بے حد محبت وعقیدت تھی۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے والہانہ ارادت تھی۔ چنانچہ دیوانِ سرورؔ آپ کی منقبت میں پورا دیوان لکھا ہے۔ آپ کے خاندان کے تمام بزرگ اہلِ سنت حنفی المذہب، مفتیٔ وقت اور جامع شریعت وطریقت ہوئے ہیں۔ اور اصلاحِ باطن کے صوفیانہ طریقوں کو آپ کے خاندان میں ہمیشہ ممتاز جگہ حاصل رہی ہے۔

علوم شریعت وطریقت۔ تفسیر، حدیث، تاریخ وادب کا کوئی بھی مسئلہ ہو۔ اس پر بے تکلف گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ مسئلہ کے اسرار ورموز مع تمام جزئیات کے اس طرح بیان کرتے تھے۔ کہ ادق سے ادق مسئلہ بھی نہایت خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا تھا۔

بات بات پر تاریخ کہتے تھے۔ حلقۂ احباب بڑا وسیع تھا۔ چھوٹے بڑے سب آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔

طبیعت عالی میں حد درجے کا استغنا تھا۔ حکامِ وقت سے ملنا ناپسند کرتے تھے۔

تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔ پنڈت بیج ناتھ[1] فقیر شمس الدین[2] اور ڈاکٹر لائٹنر[3] رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکام وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے میں گریز نہ کیجیے۔ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد

---

[1] دیوان اجودھیا پرشاد المتوفی ۱۸۶۰ء جو رنجیت سنگھ کی فوج میں دیوانی عہدہ رکھتے تھے۔ اُن کے فرزند تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیل دار تھے۔ ۱۸۷۰ء میں پنشن مل گئی تھی۔ آخری عمر میں جوالا جی کی یاترا کو گئے۔ اور وہیں ہیضہ میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

[2] فقیر نورالدین المتوفی ۱۸۵۱ء جو رنجیت سنگھ کے دربار کے رکن رکین تھے۔ اُن کے فرزند دوم تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیل داری کے عہدہ پر فائز تھے۔ پھر پنشن لے لی تھی۔ کچھ عرصہ لاہور کے آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

[3] ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر۔ ایم اے پی ایچ ڈی نہایت باذوق اور صاحب علم و فضل انسان تھے۔ ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں ترکی چلے گئے تھے۔ وہاں عربی، فارسی اور ترکی زبان سیکھی۔ ۱۸۵۶ء میں برطانیہ کی فوج میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے تھے۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملازمت ترک کر کے پادری بن گئے۔ پھر اسے بھی چھوڑ کر اسلامی قانون پر لیکچر دینے لگے۔ ۱۸۶۴ء میں ہندوستان آ گئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج پھر اورینٹل کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی ہو گئے۔ عرصہ دراز تک اسلامی ممالک کی سیاحت کی تھی۔ اس دوران میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اپنا اسلامی نام ملا عبدالرشید سیاح رکھا تھا۔ اور اسلام کی تصدیق میں بخارا و سمرقند کے علماء سے تصدیق نامہ حاصل کر لیا تھا۔ لاہور کے زمانہ قیام میں تاریخ اسلام دو جلدوں میں اردو زبان میں مولوی کریم الدین کی امداد سے لکھی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں لاہور سے چلے گئے تھے۔ ووکنگ لنڈن کی مسجد انہوں ہی نے بنوائی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں جرمنی میں وفات پائی۔

اور مولانا الطاف حسین حالی کی مثالیں دے کر قائل کرنے کی کوشش کی۔ مگر آپ نے فرمایا "نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے۔ اور نہ میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے۔ اور میرا راستہ ان سے الگ ہے"۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹنر کے اصرار کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بھی بننا منظور نہ کیا ہو۔ اور نہ کرنل ہالرائیڈ[لہ] ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب کی اس نئی ادبی تحریک میں شامل ہوئے جو انگریزوں کے ایما اور اُن کی

لہ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب رہے۔ ۱۸۷۴ء میں انگریزوں کے ایما سے انگریزی زبان و ادب کو فروغ دینے کے لیے جدید شاعری کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اسی زمانے میں طلبۂ مدارس کے لیے انگریزی سے اردو میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ ان کتابوں کی زبان درست کرنے کے لیے مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک بزم مشاعرہ قائم ہوئی۔ اس مشاعرہ میں مختلف عنوانات پر نیچرل اور اخلاقی نظمیں پڑھی جانے لگیں۔ انہی تراجم کے ذریعے سے مولانا آزاد اور مولانا حالی کو انگریزی ادب سے ...... واقفیت ہوئی۔ وہ بھی نیم پختہ۔ جس کے سامنے ان بزرگوں اور ان کے ہم نواؤں نے نیا زہر پاشی شروع کردی۔ ظاہر النظر میں کرنل ہالرائڈ کا عہد اردو زبان کی توسیع میں ایسا ہی قابل قدر ہے۔ جیسا کہ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گلگرسٹ اور دوسرے انگریز مستشرقین کا۔ مگر ہمیں اس خوش فہمی کے ساتھ یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ یہ ادب نوازی محض سیاسی استحکام کے لیے تھے۔ ۱۸۶۷ء میں اردو ہندی کا جھگڑا انگریز مستشرقین اور انگریز حکمرانوں ہی نے پیدا کیا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں زبان کی آڑ میں دائمی افتراق کا بیج بویا۔ جس نے آگے چل کر مکمل سیاسی صورت اختیار کرلی۔ یوپی میں اردو کی مخالفت سرسید مرحوم کی وفات کے قریب زمانے ہی میں پیدا ہوگئی تھی۔ جو رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی۔ ۱۸۹۵ء میں جب سرانٹونی میکڈانل صوبے کے گورنر ہوئے۔ تو ہندی کے حامیوں کے حوصلے بڑھے۔ اس کے تعاون کی وجہ سے اردو زبان کی بجائے بہاری زبان اور فارسی حروف کے بجائے کیتھی حروف رائج ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں (باقی برصفحہ)

سعی و امداد سے ۱۸۶۶ء میں ادبی تحریک کے پردے میں سیاسی مقاصد کے استحکام کیلئے شروع ہوئی تھی۔ جس کے روح رواں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا حالی تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت جو تعلیمی نظام رائج کیا جارہا تھا۔ وہ کسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے قومی مزاج کے موافق نہ تھا۔ انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ اُن کا دینی۔ تہذیبی، تمدنی۔ معاشرتی اور علمی زوال بھی چاہتا تھا۔ اور اس کے بغیر وہ کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں کرسکتا تھا۔

اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ کہ جب تک اسلامی تعلیم اور اسلامی مدارس کو بتدریج ختم کرکے اُس کی جگہ انگریزی تعلیم و تمدن اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ) صوبے کے معزز ہندوؤں نے پھر ایک عرضداشت پیش کی۔ کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے ہندی بھاشا اور ناگری رسم الخط جاری کیا جائے۔ ۱۹۰۰ء میں سرانٹونی میکڈانل کی حکومت نے حکم صادر کیا۔ جس کی رو سے اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا۔ نواب محسن الملک کے زمانے میں جب کہ وہ علی گڑھ کالج کے سکرٹری تھے۔ اردو کی حمایت و حفاظت کے لیے ایک انجمن قائم ہوئی۔ جس کا ایک عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہوا۔ اس میں نواب محسن الملک نے بڑی پرجوش تقریر کی۔ جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔ اور اردو کی حمایت میں جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرانٹونی میکڈانل اس وقت صوبہ کے گورنر تھے۔ اور ہندی کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے اہل انجمن کو کچھ ایسی دھمکی دی کہ انجمن ٹوٹ گئی۔ اُردو کی تحریک کو ختم کردیا گیا۔ لیکن اس کشمکش کا ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر گہرا اثر پڑا۔ اور حکومت کی وفاداری کی وہ عمارت جو سرسید مرحوم، اُن کے رفقائے کار نے بڑی کوشش سے قوم کے دلوں میں تعمیر کی تھی وہ بالکل گرنے سے تو بچ گئی۔ مگر اس میں شگاف ضرور پڑ گئے۔ یہ ہے انگریزوں کی اردو و ادب نوازی کا سیاسی پس منظر۔ بلکہ موجودہ مصنوعی ہندی جس کو بھارت اپنا رہا ہے۔ انگریز مستشرقین نے ہندی ادبا سے اُنکا جذبہ قومیت ابھار کر پیدا کرائی ہے۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ عربی و فارسی کے وہ عام فہم الفاظ جو صدیوں سے اردو زبان میں استعمال ہو رہے تھے۔ نکال کر اُنکی جگہ بھاشا و سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ داخل کر دیئے۔

معاشرت کو اس طرح رائج کیا جائے۔ جو ذہنوں کو بالکل مسخ کر دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی، تہذیبی اور علمی و ادبی تفوق کو یکسر فراموش کر گئی۔ اکتسابِ علوم و فنون کی افادیت اپنی جگہ مسلم۔ نہ اس سے کوئی منکر اور نہ اس سے کسی زمانہ میں مفر۔ اس لیے کہ معاشرہ جامد و ساکن نہیں ہے۔ مسائل حیات علوم و فنون کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ کہ لسانی و معاشرتی تقلید سے احساس برتری کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ ابتدا میں علماء نے جو انگریزی کی مخالفت کی تھی۔ اس میں درحقیقت یہی جذبہ کارفرما تھا۔ نہ اکتساب علوم جدیدہ کی مخالفت تھی۔ اور نہ محض انگریزی پڑھنے کی ــــ بلکہ اس تمدن و معاشرت کی مخالفت کی۔ جو انگریزی ذریعہ تعلیم سے پھیلائی جا رہی تھی۔

چنانچہ اس وقت مدارس کے لیے جو علمی و ادبی کتابیں انگریزوں نے ترجمہ کرائیں یا تصنیف و تالیف ہوئیں۔ اُن کی تعلیم اس قسم کی تھی۔ کہ اپنا سب کچھ بھول جاؤ۔ اپنی تاریخ کو فراموش کر دو۔ اور تاریخ انگلستان کو یاد کرو۔ اپنے علم و ادب سے بیگانہ ہو جاؤ۔ اور انگریزی ادب کے سامنے اسے مہمل، غیر فطری اور بے معنی سمجھو مسلمان حکمران ظالم اور متعصب تھے۔ اب انگریزی راج کی برکتیں یاد کرو۔ اور پہلا سبق یہ پڑھو۔ "ماں بچے کو گود میں لیے بیٹھی ہے۔ باپ حقہ پی رہا ہے"۔ اس نظام تعلیم کا نتیجہ علامہ اقبال مرحوم کی زبانی سنیئے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

انگریزوں کو اس وقت ایسے اہل قلم اور ایسے مدبرین کی ضرورت تھی۔ جو انہیں تعلیمی نظام کے رائج کرنے میں بھی مدد دیں۔ اور ان کے سیاسی استحکام کا بھی سبب بنیں۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آپ تادم زیست اس اپنے مسلک پر قائم رہے۔ اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

۱۸۸۴ء میں سرسید مرحوم نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لیے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر ڈپٹی برکت علی[1] کے ہاں فروکش ہوئے۔ خان بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمایندہ جلسہ اپنی کوٹھی واقع بیرون موچی دروازہ میں بلایا جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خان بہادر نے آپ کا تعارف سرسید سے کرایا۔ سرسید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے نام سنا ہُوا تھا۔ آج مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام آپ کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔ سید صاحب میں اس کام کے لیے موزوں نہیں ہوں۔ میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کرلی ہے۔ یہ اس مقصد کے لیے بہت مفید ہے۔ اور پھر جماعتی اتحاد کے لیے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ چیزیں یہاں نہیں دیکھتا۔ سرسید آپ کا جواب سن کر خاموش ہو رہے۔

تصانیف

کل اکیس ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ اور اہم ہیں۔

مذہبی مباحث میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اپنے دماغ و قلم کو شعر و ادب، تاریخ و سوانح نگاری اور علم لغت تک ہی محدود رکھا ہے۔

(۱) گلدستۂ کرامات:۔ ۱۲۷۵ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ سے چار بار، دہلی سے دوبار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شایع ہوئی۔ یہ کتاب اُردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ المتوفی ۵۶۱ھ کے مناقب میں ہے۔

---

[1] انجمن اسلامیہ کے بانی۔ لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ۔ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو۔ سرسید کے معاون و مددگار، اور علی گڑھ کالج ٹرسٹی تھے۔ ۱۸۸۳ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ اور اپنی تمام سرگرمیاں مسلمانوں کی تعلیمی و معاشرتی حالات کو بہتر بنانے کے لیے وقف کردیں۔ نہایت خلیق حلیم اور صاحب مروت تھے۔ اصلی وطن شاہ جہان پور تھا۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

اس میں کل اکیانوے مناقب ہیں۔ کیوں کہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال تھی اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے۔ اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ جیسا کہ خود فاضل مصنف نے دیباچہ میں رقم فرمایا ہے۔

سب تعریف اس مالک الملک۔ خالق الخلق کو شایان ہے۔ کہ جس نے انبیائے عظام کو معجزات و آیاتِ واضح عنایت کیں۔ اور اولیائے کرام کو کرامات اور خوارق عادات لایح مرحمت فرمائیں۔ جن کے فیض عام سے انسان ضعیف البنیان ظلماتِ شک سے نکل کر نورِ یقین کو پہنچا۔ اور مشعلِ ایمان اُس کی خانۂ دلِ صداقت منزل میں روشن ہوئی

لا اله الا الله وحده لاشریك له

حمد

اَں خدائے خالقِ ہر دو جہاں — شد ازو پیدا زمین و آسماں
حاکم و عادل کریم است و رحیم — رازقِ ہر وحش و طیر و انس جاں
شاہ مے گردد گدا از حکم او — مردہ گردد زندہ اندر یک زماں
مشتِ خاکِ آدم از الطاف او — شد شریف از جملہ مخلوقِ جہاں
شد قلم از وصف او یک سر قلم — لال مے گردد ز تعریفش زباں!
شد ز انسان زیب در روئے زمین — گشت روشن چرخ از سیارگاں

سرورِ بیچارہ را بخش اے کریم
بر سرش ہست از گناہ بار گراں

نعت

و تحفہ و درود۔ بر آں محمود۔ احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی ذات بابرکات و وجود جامع الصفات کی طفیل سے مشتِ خاک انسان بدرجۂ عالیۂ اسلام پہنچ کر اکسیر بے نظیر و کیمیائے خالص ہوئی۔ اور راہِ ضلالت سے دار الامانِ ہدایت پر پہنچا۔ الحمد للہ الذی ھدانا الی الاسلام بطفیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعلنا مسلمین وسمیا مسلمین۔

آن نبی فخر النبی فخر الامم — شد از و فخر عرب فخر عجم
خیر دنیا خیر دین خیر الانام — اہل علم و اہل حلم و اہل علم
از رخش پر نور شد روئے زمین — شد فلک اعلیٰ ز پابوس قدم
صاحب لولاک و الامر نبیت — رحمۃ للعالمین بحر کرم

سرور ار خواہی شوی مقبول حق
ورد کن نام محمد دمبدم

مدح خلفائے راشدین

اور ہزاراں ہزاراں مدح و توصیف بے شمار ہر چہار اصحاب کبار قامح بنیان کفار کو لائق ہے۔ کہ جن بابرکات نے کمر سعی بہ کمر بند محبت باندھ کر جان و مال سے امداد و انقیاد جناب رسالت مآب کی کی۔ اور بعد وفات آن حضرت خلیفۂ وقت ایسی جاں فشانی اور عرق ریزی کی۔ کہ ستارۂ اسلام کو چرخ ہدایت و ارشاد پر مانند آفتاب روشن کر دیا۔ اور کفار نابکار کو ایسا بے دریغ تہ تیغ کیا۔ کہ نام گمنام کفر کا حتے الامکان نام کو بھی نہ چھوڑا۔ ان ہر چہار حضرات کو اگر چہار ستون خانۂ دین کہا جائے تو حق۔ بلکہ اگر چار عنصر عالم اسلام لکھا جائے۔ تو بجا ہے۔

یار حق ہے جو کوئی ہے دل سے یار چار یار — دوستدار مصطفیٰ ہے دوستدار چار یار
اُن کا جو مداح ہے ممدوح عالم ہو گیا — ہر جگہ مخدوم ہے خدمت گذار چار یار
خار غم کھاتے ہیں ہردم دشمنان بیوقوف — ہے شگفتہ حشر تک باغ و بہار چار یار
جو کوئی آیا وہاں لے کر گیا نقد مراد — شاہد مطلوب ہے اندر کنار چار یار
روح چاروں کی غریق بحر رحمت ہے مدام — نور حق برسر ہے ہردم بر مزار چار یار
عزت اصحاب ہی ہے عزت خیر الانام — افتخار مصطفیٰ ہے افتخار چار یار
داغ کھاتے ہیں ہمیشہ دشمنان اہل بیت — دیکھ پاتے ہیں جو خنداں لالہ زار چار یار

سرور نادار ہے دل سے غلام اہل بیت
اور دل و جاں سے ہے وہ ہردم نثار چار یار

منقبت

و ثنائے بے انتہا و مناقب لاتعداد و لاتحصیٰ اس جناب فلک رکاب قطب الاقطاب غوث الثقلین۔ گوہر دریائے مجمع البحرین۔ نور العین حسین۔ عارف حقانی۔ ولی لاثانی۔ واقف اسرار صمدانی محرم راز ہمہ دانی۔ غوطہ خور بحر عرفانی۔ محبوب ربانی معشوق یزدانی باقی بہر باقی۔ افسر اولیاء۔ سردفتر اصفیاء۔ مقتدائے اتقیا۔ فرزند پیمبر۔ دلبند حیدر۔ غوث الدنیا والدین ابو محمد محی الدین۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ و عن اتباعہ کو سزاوار ہے۔ کہ جس نے بہ حمایت دین محمدی و پیروی صراط مستقیم احمدی گمراہان بے راہ کو راہ راست پر لاکر مرید خاص اپنا کیا۔ اور "مریدی لاتخف" ان کے حق میں ارشاد فرمایا

افسر اہل صفا حضرت غوث الثقلین ۔۔۔ گشت محبوب خدا حضرت غوث الثقلین

جلوہ گر نور رخش گشت بعالم چوں ماہ ۔۔۔ ماہ رو ماہ لقا حضرت غوث الثقلین

مخزن لطف و کرم مطلع انوار قدم ۔۔۔ معدن جود و سخا حضرت غوث الثقلین

مرشد اہل صفا ہادی اقلیم ہدا ۔۔۔ مظہر نور خدا حضرت غوث الثقلین

گر تو خواہی کہ شوی اہل صفا اے سرور

پس بگو صبح و مسا حضرت غوث الثقلین

من بعد خاک پائے خادم جناب عبدالقادر غلام سرور خلف حضرت مولانا مفتی الشریع الامجد غلام محمد قریشی الاسدی الہاشمی۔ غفر اللہ لہ و ذنوبہ و ستر عیوبہ فی الدنیا والآخرہ ایک مرید با ارادت دربار شہنشاہ گیلانی ہے۔ مدت سے اپنے دل نیاز منزل میں ارادۂ مصمم و دلیل مستحکم رکھتا تھا۔ کہ گل ہائے مناقب آں حضرت معدن برکت بدست ارادت جمع کرے۔ مریدان با اعتقاد و خادمان حق یاد کے لیے ایک گلدستہ عجیب تیار پس ان دنوں میں کہ اس حقیر نے کتاب مناقب غوثیہ کہ بہ عبارت فارسی من تالیف شیخ محمد شیباقی ہے۔ ایک محب باتوفیق سے پائی۔ تو باوجود کم فرصتی و تلاش معاش کے کمر ہمت باندھ کر ترجمہ اس کا بزبان اردو قریب الفہم خاص و عام کیا۔ کہ اس کے مطالعہ سے عوام الناس۔ محبت اساس۔ ثواب عظیم و اجر عظیم حاصل کریں۔ اور مجھ گنہگار

نامہ سیاہ کے حق میں دعائے مغفرت مانگیں۔ اور چونکہ اس کتاب کرامت مآب میں فقط ذکر کرامات حضرت غوث الاعظم ہے۔ لہذا بگلدستۂ کرامات موسوم ہوئی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ انسان ضعیف بنیان سراسر مرکب بہ خطا و نسیان ہے۔ یہ ہیچ مدان۔ سراپا نسیان۔ بھی امیدوار احسان نظارگیانِ والاشان ہے۔ کہ اگر نظم یا نثر اس کتاب میں سہو یا خطا جانب مؤلف سے وقوع میں آئی ہو۔ تو بہ چشم عنایت چشم پوشی کو کام فرمائیں۔ یا بہ خامۂ عنبر شمامہ قلم اصلاح اس پر فرما کر انگشت نمائی سے ہاتھ اٹھائیں۔ اس کتاب گلدستۂ کرامات میں کل اکانوے مناقب جناب فلک رکاب محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ السامی کی درج ہیں۔ اور عمر شریف بھی آں حضرت معدن برکت کی اکانوے سال تھی۔ اگرچہ کرامات وخوارق عادات آں جناب کرامت مآب کی بے حساب ہیں۔ قلم اور زبان کا کیا امکان ہے۔ کہ تحریر اور تقریر کرے۔ مگر اس حساب سے فی سال عمر شریف آں حضرت کی ایک ایک کرامت و مناقب شمار میں آگئیں۔ اور جس قدر غزلیں تعریف آں جناب میں خاتمہ ہر منقبت پر لکھی ہیں۔ وہ فقط اس حقیر کے قلم عجز رقم سے تحریر ہوئی ہیں۔

قطعات تاریخ

چوں ایں باغِ کراماتِ جناب غوث صمدانی	بہ روئے عالم دنیا شگفت از فضل یزدانی
عجب نور علی نور ہمچو گلزار بہشت آمد	کہ از نظارہ اش چشم نظر گردید نورانی
بود سرسبز دائم این چمن در گلشن عالم	بہ لطف غوث اعظم حضرت محبوب سبحانی
گل وصفش ز بس گل گل شگفت ست اندریں بستان	شدہ پر گل ز مشکش سینۂ گلزار بستانی

چو سرور سالِ تالیفش بہ جست از عندلیب دل
جو ابش گفت رضواں "باغِ محی الدین گیلانی" ۱۲۷۷

جس دم کہ یہ مجموعۂ عالی ہوا تیار	باندھا گیا گلدستۂ گل ہائے کرامات

سرور سے وہیں وقتِ رقم بلبل خوش گو
بولا یہ ہے "گلدستۂ گل ہائے کرامات" ۱۲۷۷

قطعہ تاریخ از مولوی فریدالدین فرید لاہوری

ازفیضِ باغبانِ گلستانِ کائنات — شاداب گشت دینِ چمنستانِ سروری
تاریخ نوشگفتن آں چوں فرید جست — جبریل گفت "گلشنِ عرفان سرورری" ۱۲۷۷ھ

دیگر

سرورِ ملکِ سخن چو منقبت ہا زد رقم — یعنی وصفِ غوثِ سرو بوستانِ حیدری
پس فرید از بہرِ تاریخش چو کردم جستجو — گفت خضرم "سبزہ زارِ بوستانِ حیدری" ۱۲۷۷ھ

(۲) خزینۃ الاصفیاء ۱۲۸۰ھ - تاریخی نام ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ۔ رواں و شستہ فارسی نثر میں ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفائے راشدین اور متقدین و متاخرین صوفیا و علماء شعراء کے حالات نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ درج کیے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ماخذ بھی بیان کیے ہیں۔ جس سے مصنف کے وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا جامع تذکرہ نہ تھا جس میں مفصل حالات ان بزرگوں کے ملتے ہوں۔ اس میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں۔ جو عام تاریخوں میں نہیں ملتے۔ یہ عظیم تذکرہ دو جلدوں میں ہے۔ اور ۱۱۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک صوفی کی تاریخ ولادت و وفات بھی نظم میں لکھی ہے۔ ۱۲۸۰ھ میں شروع ہوا۔ اور ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوا۔

تمام کتاب سات مخزنوں پر تقسیم ہے۔ جیساکہ خود فاضل مصنف نے آغازِ کتاب میں سببِ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حمد و نعت کے بعد تحریر کرتے ہیں :-

مے گوید بندۂ احقر المحقر۔ سراپا عیب خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الانور غلام محمد بن مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری غفراللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی الدنیا والآخرہ۔ کہ چوں ایں خاکسار سراپا انکسار بعنایت پروردگار از تصنیف و تالیف کتاب گلدستہ کرامات اعنی مناقبِ حضرت محبوب سبحانی۔ قطب ربانی غوث صمدانی۔ سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی الحنبلی قدس سرہ العزیز فراغت یافت بعضے دوستانِ صداقت آئین محبان ، محبت گزین مکلف

نیاز مآل شدند۔ کہ مجموعۂ دیگر در احوال المشائخ دین و اولیائے اہل یقین جمع آوردہ بہ تسوید حالات و ترقیم خوارق و کرامات آں حضرت جد اجد اسلسلہ و اپر دازد۔ تا سالکان طریقت و طالبانِ ہدایت را بوقوف حالات مشائخ عظام فیض عام و فائدۂ تام حاصل گردد۔ و شوق بر شوق و ذوق بر ذوق بیفزاید۔ و محبت بر محبت ترقی پذیرد۔ و برائے مؤلف یادگارے بر صفحۂ روزگارے بماند۔ چوں رخت زندگانی ازیں سرائے فانی بربندد بفاتحۂ خیر باد شود۔ لہذا ایں کم ہمت بگفتۂ مخلصانِ اخلاص مند و محبانِ محبت پسند وعلی الخصوص بامید آنکہ شنیدم کہ در روز امید و بیم۔ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔ توسل نجات بوسیلہ جمیلہ حضرات تصور نمودہ بہ ہزار محنت و رنج باجتماع ایں گنج مشغول شد۔ و باحوال ہر یک بزرگ از کتب والا رتب متقدمین و متاخرین جمع آوردہ بنیادِ ایں گنج گوہر سنج نہادہ بہ خزینۃ الاصفیاء کہ نام تاریخی است۔ موسوم ساختہ بہ ہفت مخزن تقسیم نمود۔

مخزنِ اول۔ در ذکر خاتم المرسلین، شفیع المذنبین۔ احمد مجتبیٰ۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مخزن دوم۔ در ذکر مشائخ خاندانِ قادریہ اعظمیہ۔

مخزن سوم۔ در ذکر حضرت خانوادۂ چشت اہل بہشت۔

مخزن چہارم۔ در ذکر پیرانِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ۔

مخزن پنجم۔ در ذکر بزرگانِ سہروردیہ عالیہ۔

مخزنِ ششم۔ در ذکر خانوادہ ہائے متفرقات۔

مخزن ہفتم۔ مشتمل بر چہار حصہ

حصۂ اول۔ در ذکر ازواج مطہرات سرور کائنات علیہ السلام۔

حصہ دوم۔ در ذکر و الا درجات بناتِ حضرت شاہ رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حصہ سوم۔ در ذکر مخدرات صالحات و عارفات، کہ از اہل ولایت و کرامت بودہ اند۔

حصہ چہارم۔ در ذکر مجانین و مجاذیب زمانہ سلف و حال و خاتمہ کتاب وچون ہیچ مدان سراپا نسیان در فن تنظیم نظم و نثر مہارتے و لیاقتے ندارد۔ بنابرآں از شعرائے نامدار و منشیان باوقار امیدوار است۔ کہ در عبارت نثر یا قطعات منظومہ مندرجہ این کتاب کہ در خاتمہ احوال ہریک بزرگ در مادہ ولادت یا وفات ایشاں نوشتہ شدہ است۔ بر سہوے یا خطائے دست یابند بدست عطاپوشیدہ دست از انگشت نمائی باز دارند۔ بلکہ بر تتوانند اصلاح فرمایند۔

من دریں دنیا خطا وار آدم | بندۂ خاکی گنہگار آدم
چون سراپا عیبم و یکسر خطا | در جنابت دارم ایں عرض و دعا
گر خطائے رفتہ باشد در کتاب | پردہ پوشی کن تو از راہ ثواب
گر تو ئی بے عیب از راہ کرم | از سر اصلاح ران بر من قلم
لطف و احسان کن کہ رب العلمین | ضایع نکند اجر پاک محسنین

قطعۂ تاریخ

جلوہ گر شد چو ایں خزانۂ فیض | در جہاں مثل ماہ پر انوار
در نظرہائے خلق شد منظور | گشت مقبول ہر صغار و کبار
معدن فیض و منبع فضل است | کان معنی است مخزن اسرار
دامن طالبان حق زر شد | پر گہر مثل ابر گوہر بار

سال او خاذن خرد فرمود
گو مقدس خزینہ ابرار

دیگر

گشت چو آغاز از فضل اللہ | مخزن عالی بذکر اصفیاء
ہر کہ دیدش ہمچو زر شد سرخرو | ہر کہ خواندش گشت خنداں چوں طلا
چشمۂ فیض است بہر خاص و عام | سر بسر گنجے است گنج بے بہا
معدن نور است از انوار حق | مخزن سر لیست از اسرار حق

در ہزار و دو صد ہشتاد گشت | جمع ایں کنز معانی با صفا
باد تا باشد زمین و آسماں | جلوہ گر ایں گنج معنی جا بجا

خازن دل گفت سرور سال او
مخزن اسرار گنج اولیاء ۱۲۸۰ھ

خاتمۃ الکتاب

الحمد للہ والمنۃ کہ ایں مخزن عجیب و غریب بامداد غیبی و توفیق لاریبی باختتام و مدعائے دل بانجام رسید۔ و منظور نظر اصحاب و پسند خاطر احباب گردید۔ ہر چند کہ فراہمیٔ ایں گنجینہ و اجتماع ایں خزینہ کار ایں کمینہ نبود۔ لیکن بتوجہات حضرات اولیاء و امداد مشائخ عظما۔ دولت ایں گنج بے محنت و بے رنج مفت بایں مداح ہیچ حاصل شد و در مدت دو سال در ماہ شوال یک ہزار و دو صد و ہشتاد و یک ۱۲۸۱ جامۂ اختتام پوشیدہ و حالات بعض حضرات کہ در سال ہزار و دو صد و ہشتاد و دو و سہ وفات یافتہ اند۔ بعد اختتام کتاب داخل کردہ شد۔ کہ خالی از لطف نہ بود۔ و بندۂ بے ہنر غلام سرور مدعیٔ آں نیست کہ در فن نظم یا نثر و قوفے دارد۔ اما چوں در دنیا و عقبی وسیلۂ نجات بجناب واہب العطایا نداشت۔ و حیران و سرگرداں تاں کار خود بود۔ بنا برآں حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ و ائمہ ذی درجات و اولیاء و الاصفیاء والشفیع المجرمین و ہادی المضلین و حبل المتین در دنیا و دین تصور نمودہ۔ دست ارادت و یقین بدامان حق توامان ایشاں زد۔ و چند اوقات بمداحیٔ آں حضرت صرف نمودہ و کتابے در احوال آں اہل کمال جمع آوردہ۔ بدیں امید کہ شاید حشر ایں روسیاہ سراپا گناہ بروز حشر از غلامان درگاہ و خادمان اولیاء اللہ وقوع آید۔ و از کمترین خادمین ایشاں بشمار آمدہ بمغفرت رسد۔ و باللہ الموفق و المعین۔

قطعۂ تاریخ و آغاز و اختتام از مؤلف

گشت پر از عطائے ایزد پاک | کنز خوبی و گنج محبوبی!
ابتدائش خزینۂ خوب است ۱۲۸۰ھ | انتہائش خزانۂ خوبی! ۱۲۸۱ھ

(۳) گنجینۂ سروری معروف باسم تاریخی گنج تاریخ ۱۲۸۴ھ

تمام کتاب نظم و نثر فارسی میں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین۔ خلفائے بنو امیہ۔ خلفائے بنو عباس و دیگر سلاطین اسلام اور مشاہیر صوفیاء و علماء و شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں لکھی ہیں۔ اور حاشیہ پر شخصیتوں کے تعارف کے لیے مختصر حالات لکھے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت اور اس کی افادی حیثیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب میں کم و بیش دس ہزار مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے۔ اور خاص خاص نادر الکلام شعراء ہی اس میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ اب تک مومن و ناسخ ہی اس فن میں باکمال سمجھے جاتے تھے۔ مگر گنج تاریخ اور خزینۃ الاصفیاء دیکھنے کے بعد ان اساتذہ کا کمال اس فن میں بے حقیقت نظر آتا ہے۔ اکثر و بیشتر مادہ ہائے تاریخ حسب حال ہیں۔ اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ مادہ ہائے تاریخ میں تخرجہ یعنی کچھ الفاظ خارج کرنا اور تعمیہ یعنی کچھ الفاظ جوڑنا۔ اس کا کچھ جھگڑا نہیں۔ پورا مادۂ تاریخ ایک لفظ یا دو لفظوں یا نصف مصرع یا پورے مصرعے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال لفظ ھُو اور احب سے نکالی ہے۔ مثلاً:۔

چوں محمد از جہاں پوشید رو — مثل خورشید جلوہ گر اندر جہاں
محو ھو بود است ذاتِ پاک او — گشت از ھُو ۱۱ھ سالِ ترحیلش عیاں
بود ذاتش مخزنِ حب خدا — سالِ ترحیلش احب ۱۱ھ اے جواں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات احد۔ وجد۔ جہاد۔ ولی سے نکالی ہے۔ مثلاً:۔

حضرت صدیق اکبر یار غار — عالم دیں والیٔ کون و مکاں
صادق و صدیق و غمخوار نبی — در دلش عشق محمد ہم چو جاں
یارِ دلدار جناب مصطفیٰ — شد چو از دنیا بخلد جاوداں
وجد ۱۳ھ کن تحریر یا لفظ جہاد — یا احد یا جود ۱۳ھ وصالش کن بیاں
باز چوں جستم وصالِ پاک او — شد ندا از دل ولی ۱۳ھ از جہاں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات لفظِ پاک[۲۳] وحی[۲۴]۔ ہدیہ[۲۴]۔ جاوید[۲۴] سے نکالی ہے۔ مثلاً:۔

چوں عمر چوں گنج زیر خاک رفت — روح پاکش بر سر افلاک رفت

پاک[۲۳] شد سال وصال او عیاں — یعنی پاک آمد بدنیا پاک رفت

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات الٰہ آدر ابل[۳۶] سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات زائد[۴۰] پاک اور ہادی ہادی[۴۰]۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی محبت[۵۰] اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حبیب[۶۱] ازل حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش کی تاریخ وفات پیر لاہوری[۴۶۵]۔ شمس دین[۴۶۵] اور گلشن دین[۴۶۵] ہے۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی تاریخ ولادت رہبر دین[۴۷۱] اور تاریخ وفات امیر المومنین ہادی دین[۵۶۲] ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار مادہ ہائے تاریخ اس کتاب میں ملیں گے

آغاز کتاب میں نہایت پر سوز اور فصیح و بلیغ حمد باری تعالیٰ۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت اصحابہ رضی اللہ عنہ تحریر کی ہے۔ اس کے بعد تشریح و تقسیم کتاب کو بیان کیا ہے۔ جو آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔

حمد باری تعالیٰ

خالق اکبر تعالےٰ شانہٗ — وحدہٗ سبحانہٗ سبحانہٗ

صاحب لطف و کرم رب کریم — مالک و رزاق و رحمان و رحیم

او مکیں اندر مکاں و لامکاں — جانشین اندر زمین و آسماں

دائماً روشن نظر از نور اوست — جلوہ گر شام و سحر از نور اوست

راست و چپ پیش و پس زیر و زبر — مستفیض از فیض دیدارش نظر

دائی عالم خبر گیر جہاں — وقت مشکل دستگیر بندگاں

واحد و یکتا و رب العالمین — غافر الذنب و غفور المذنبین

ذات لاثانی جناب کبریا — صانع لوح و قلم ارض و سما

آدم و دیو و پری و جن و ملک — فرش و عرش و کوہ و دریا و فلک

هر چه هست از دام و دو وحشی و طیور | باد و خاک و آب و آتش مار و مور
جمله از آں واحد بکثرت آمدند | قطره زاں بحر حقیقت آمدند!
عالم هر علم و علام الخبیر! | قادر مطلق بصیر است و قدیر
از وجودِ او وجودِ هر وجود | بودِ او شد باعث هر ابل بود
رنگ آں رنگیں عیاں از رنگ ها | نقش آں نقاش پیدا جابجا
چوں مه و مهر است پیدا نور او | از چراغ دل هویدا نور او
گوش زد شنو از زباں گویاست زد | دیدهٔ اہل نظر بیناست زد
جلوهٔ او شد عیاں بر روئے گل | بوئے او پیداست اندر بوئے گل
خواں بقرآں قل هو الله احد | بے زن و فرزند الله الصمد

کن نظر سرِ در بچشم دور بین
تا نظر آید ترا نور یقین

نعت سرور کائنات خلاصهٔ موجودات سیدِ عالم صلی الله علیه وسلم

سید کونین ختم الانبیاء | احمد مرسل محمد مصطفیٰ
باج بگرفت از سلاطین تاج او | تاجدار ان جہاں محتاج او
هادیٔ گم گشتگاں و گمرہاں | خانه دارِ خانهٔ کون و مکاں
حامیٔ دین و شفیع المذنبین | ابر رحمت رحمة للعالمین
چتر لولاک است زیبا بر سرش | خلعت الّا رسول اندر برش
از احد کرد ست ایں احمد ظہور | نور عین آمد عیاں از عین نور
از میانش میم چوں بر داشتند | ذات احمد را احد بنگاشتند!
در ثنایش از زمیں تا آسماں | هست پُر اہل زباں رطب اللساں
نام نامیش محمد مصطفیٰ | وه چه خوش نام خدا صلی علیٰ

صد صلوٰة و صد درود و صد سلام
باد بر روحش الے یوم القیام

مدح ہر چہار اصحاب کبار حضرت سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) اولاً صدیق آں والا ہمم	کان صدق و مخزنِ لطف و کرم
صادق و اصدق محب کبریا	یارِ غارِ مصطفیٰ با صد صفا
شاہد اوصاف قرآنش بس است	اذ ہما فی الغار در شانش بس است
(۲) واں عمر والا گہر غازیٔ دین	بعد پیغمبر نبی را جانشین
بندۂ حق اہل حق حق القیام	از زبانش حق عیاں گشتے مدام
بر کلامش ینطق الحق شد دلیل	ہست ایں قولِ نبی بے قال و قیل
در جہان شد عزت اسلام زد	یافت دینِ حق بعالم نام زد
(۳) حضرت عثمان شہ اہل صفا	جانشین ثالث خیر الوریٰ
مخزن اندر ذوی النورین اوست	آفتاب دیں شہ کونین اوست
مجمع البحرین دریائے سخا	شاہِ والا جاہ با حلم و سخا
(۴) حیدر صفدر شہ کرار بود	ابن عم احمد مختار بود
پہلوانِ شیر دل شیر خدا	والیٔ عالی علی المرتضیٰ
عاشق اللہ و محبوب نبی	بادشاہِ دین سخی و متقی!

در تشریح و تقسیم ایں کتاب کہ بہشت مخزن منقسم است

بہر ذکر خیر پیران کرام!	یافتہ ایں گنج تاریخ انتظام
نیز در ذکر شہانِ با وقار	دادہ ام ایں گنج خود را افتخار
جا بجا تاریخ ہر یک گفتہ ام	طرفہ تر در نظم گوہر سفتہ ام
نام تاریخی زبہر ایں کتاب	گنج تاریخ آمدہ اندر حساب
کردہ ام تقسیم اندر ہشت گنج	تا بیابی حصہ بے دست رنج
(۱) مخزنِ اول رقم اے نیک نام	گشت در ذکر شہ خیر الانام
نیز سالِ فوت اصحاب کبار	شد درو ز ترقیم اے عالی وقار
باز در ذکر امامانِ کرام!	ختم شد گنج نخستین والسلام

(۲) گنج ثانی شد ہویدا اے اخی — در بیانِ اولیائے قادری

(۳) گنجِ ثالث آمد اے نیکو سرشت — پھر ذکر خاندانِ اہلِ چشت

(۴) در چہارم شد بہ طرزِ دل پسند — ذکرِ خیر اولیائے نقشبند

(۵) کردہ ام در مخزنِ پنجم عیاں — شرح حالِ سہروردیہ عیاں

(۶) گنجِ ششم ہست در متفرقات — ہفتمیں ذکرِ نساءِ عارفات

(۷) گنجِ ہشتم را من اے والاہمم — کردہ ام در یازدہ حصہ رقم

حصۂ اول چو کردم ابتدار — بحرۂ زو دادم بنی اُمیہ را

حصۂ ثانی چو شد از من عیاں — شد بنی عباس را در وے بیاں

حصۂ ثالث ز روئے آگہی — شد درو ذکرِ شہانِ غزنوی

حصۂ چہارم چو آمد بر قلم! — گشت در وے ذکرِ غوریہ رقم

پنجمیں خلجیہ آمد در شمار — تغلقی ششم بداں اے باوقار

خضر خانی را بہفتم کن نظر! — ہشتمی لودیہ اے والا گہر

در نہم چنگیزی است اے نیک خو — نیز تیموری و چغتائی بگو

شد رقم اندر دہم اے نوجواں — حالتِ شاہانِ متفرق بیاں

حصۂ احدی عشر اے جانِ من — گفتہ ام در ذکرِ امرائے زمن

نیز ذکرِ شاعرانِ ہوش مند — شد بیاں در وے بطرزِ دل پسند

جامعِ ایں جملہ گنجِ مختصر! — بندۂ پُر عیب و خالی از ہنر

سرورم نے نے غلامِ سرورم — زیبد ار تاجِ غلامی بر سرم

ہست پیش شاعران باہنر — دعوئے شاگردی ام بس سر بسر

ذرہ ام در پیشِ نورِ آفتاب — بلکہ چوں خاشاک پیشِ بحرِ آب

زیں سبب دارم بصد عجز و ندا — در جنابِ حضرتِ شاں التجا

بر خطا ہائے کہ باشد در کتاب — خامۂ اصلاح رانند از ثواب

ورنہ بندند از سرِ لطف و سخا — بر خطائے پر خطا دستِ عطا

ہرکہ بر این پرخطا احسان کند ۔ وایمار پروے خدا احسان کند
پردہ پوشی کن کہ ستارالعیوب ۔ بندگاں راہست غفارالذنوب
یا الٰہی بہر آلِ فاطمہ ۔ وقتِ رحلت کن بر ایماں خاتمہ
یا الٰہی بہر اولادِ علی ۔ دار مارا از محبانِ نبی!
یا الٰہی بہر اصحاب رسول ۔ کن دعائے سرِ دربیدل قبول

یا الٰہی بہر پیرانِ کرام
دار مارا در دو عالم نیک نام

(۴) تاریخ مخزنِ پنجاب :- یہ ملک پنجاب کی بسیط تاریخ اور جغرافیہ دونوں کی حامل ہے۔ اس میں پنجاب کے مشہور شہروں۔ قصبوں۔ دریاؤں۔ پہاڑوں نیز مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشہور تاریخی مقامات اور مختلف فرقوں کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی تاریخ کشمیر۔ لداخ وکشتواڑ بھی شامل ہے۔ اس تاریخ کی تحریک گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہوئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دیوان بیج ناتھ اور فقیر شمس الدین کی وساطت سے یہ تاریخ لکھوانی چاہی۔ اور ان حضرات نے آپ کو بہزار مشکل آمادہ بھی کر لیا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ بعارضۂ تپ و آشوب چشم بیمار ہو گئے۔ اور صحت یاب ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے۔ گورنمنٹ اس کتاب کی تالیف جلدی چاہتی تھی۔ اس لیے یہ کام قاضی تاج الدین[۱] لاہوری کے سپرد ہوا۔ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ نامکمل سی تاریخ لکھ کر پیش کر دی۔ جو نہ تو حکومت کو پسند آئی اور نہ مقبول عام ہوئی۔ آپ نے صحت یاب ہونے کے بعد بطور خود ایک سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد حالات فراہم کر کے اسے مکمل کیا۔ چنانچہ کتاب مذکور کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

---

[۱] خاندانِ قاضیانِ لاہور میں سے تھے۔ ان کے والد قاضی امام الدین، قاضی مسیح الدین قاضی لاہور کے بھائی تھے۔ انگریزی عہد میں قاضی سراج الدین سررشتہ دار تھے۔ اور ان کے بھائی قاضی نفیس الدین داروغہ نزول تھے۔

بندۂ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری خدمت صاحبان علم وہنر کے بیان کرتا ہے۔ کہ جب راقم کتاب گلدستۂ کرامات۔ خزینۃ الاصفیاء۔ گنج تاریخ کی تالیف و تصنیف سے فراغت پاچکا۔ فارغ نہ بیٹھ سکا اور ارادہ کیا کہ اور کتاب پنجاب کے ملک کے احوال میں بزبان اردو لکھی جائے۔ اس شوق میں ایک سال کامل تلاش کتب درپیش رہی۔ اور بہت سی سعی کے بعد جس قدر احوال بذریعہ کتب فارسی و انگریزی کے حاصل ہوا۔ زیب اندراج پایا۔ مخزن پنجاب نام رکھا۔ پانچ حصوں اور پچیس تقسیموں میں منقسم

پہلا حصہ۔ ستلج پار سے میدانی ملک کے حال میں جو فی زمانتا گورنمنٹ پنجاب کے متعلق ہے۔

دوسرا حصہ۔ دریائے ستلج کے داہنے کنارے سے لے کر پنجاب کے میدانی اور مغربی پہاڑ اس میں آٹھ تقسیمیں ہیں۔

تیسرا حصہ۔ پنجاب کے کوہ شمالی اور اُن علاقوں کے احوال ہیں۔ اس میں پانچ تقسیمیں ہیں۔

چوتھا حصہ۔ پنجاب کے حاکموں اور فاتحوں کے ذکر ہیں۔ سلاطین غزنوی سے چغتائی و درانی سلطنت کے آخر تک۔

پانچواں حصہ۔ پنجاب کے میدان اور کوہستان۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور مزارات و مقابر کا ذکر۔ ہندو اور مسلمان قوموں کا بیان اور مذاہب و عقائد کی تفصیل۔

١٢٨٥ھ میں لکھی گئی۔ لاہور اور مطبع نول کشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی "عجب ہے مخزن حالات پنجاب" اس کا مادۂ تاریخ ہے۔

(۵) گلشن سروری:- منظوم کتاب ہے۔ اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ تہذیب اخلاق اور سیاست مدن کے تمام مسائل سلیس اور فصیح و بلیغ انداز میں تحریر کیے ہیں۔ طرز بیان نہایت مؤثر ہے۔ نیک اعمالی اور بد اعمالی کا شاید ہی کوئی باب چھوڑا ہو گا۔

۱۲۸۹ھ میں لکھی گئی۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں متعدد بار چھپی۔ محکمہ تعلیم پنجاب اور والیانِ ریاست ہائے پنجاب و ہند نے مصنف سے سینکڑوں جلدیں خریدیں۔

"گلشنِ تازہ سروری" ۱۲۸۹ھ اس کا مادۂ تاریخ ہے۔

(۶) دیوان سروری :- اردو نظم میں ہے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی منقبت میں ہے۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں کئی مرتبہ چھپا۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا

(۷) حدیقۃ الاولیاء :- اردو نثر میں ہے۔ اور صرف انہی اولیائے کرام کا ذکر ہے۔ جو پنجاب میں گزرے ہیں۔ سبب تالیف اس طرح رقم طراز ہیں

در اظہار باعث تالیف کتاب حدیقۃ الاولیاء

اس کتاب کی تالیف سے پہلے بھی احقر المحقر غلام سرور خلف مولانا مفتی غلام محمد قریشی ہاشمی سہروردی لاہوری اولیائے کرام و پیران عظام کے حال میں ایک کتاب خزینۃ الاصفیاء بزبانِ فارسی تالیف کر چکا ہے۔ جو دو مرتبہ لاہور اور لکھنؤ میں چھپ کر تحفۂ نظر ارباب شوق ہو چکی ہے۔ اس میں ہر ایک سلسلہ اور خاندان کا ابتداء سے اس زمانے تک ہے۔ اب میرے واثق محبانِ قدیم و صادق دوستانِ صمیم میں سے امام الدین حکیم مدح خوان رسول کریم میرے مکلف حال ہوئے۔ کہ ایک درمجموعہ مختصر اُردو زبان میں لکھے۔ جس میں ملک پنجاب کے اولیاء کا حال ہو۔ یعنی دہلی سے پشاور تک جس قدر علاقہ اس وقت پنجاب کے ساتھ متعلق ہے۔ اور مشہور اولیاء کے مزارات اس میں ہیں۔ سب کا حال ضروری اس میں تحریر ہو۔ پس ایک دوست کے فرمانے اور دلی محبت جو قدیم سے مجھ کو اولیاء اللہ کے ساتھ ہے۔ اس کام پر مجھ کو آمادہ کیا۔ اب خداوند تعالیٰ سے امداد چاہتا ہوں۔ کہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پائے اور بعد میرے یہ کتاب دنیائے فانی میں یادگار رہ جائے۔ آمین۔ اس کتاب کا نام حدیقۃ الاولیاء رکھا گیا۔ اور سات چمنوں پر تقسیم ہوئی۔

پہلا چمن مشائخ قادریہ کے احوال میں۔ دوسرا چمن مشائخ چشتیہ کے احوال میں تیسرا چمن مشائخ نقشبندیہ کے احوال میں۔ چوتھا چمن مشائخ سہروردیہ کے احوال میں

پانچواں چمن مشائخ متفرقات ۔ چھٹا چمن ۔ مجانین و مجاذیب کے احوال ہیں۔ ساتواں چمن عورات صالحات کے ذکر میں ۔

قطعۂ تاریخ

یہ کیا اچھا ہے سرور کا حدیقہ ۔ یہ کیا باغ دبہار اولیا ہے
نہیں داخل خزاں اس بوستاں میں ۔ کہ باغ اتقیا و اصفیا ہے
کہاں ہے باغ کوئی اسکے ہمرنگ ۔ کہ یہ گلزار فیض کبریا ہے
یہ ہے سرسبز باغ اہل عرفاں ۔ کہ جس پر عندلیب دل فدا ہے
کہیں سبزہ کہیں غنچہ کہیں گل ۔ کہیں سنبل کہیں لالہ کھلا ہے
غرض روئے زمیں پر مثل فردوس ۔ بنا سرور کا یہ بستاں سرا ہے

کہاں رضواں نے بہر سال تالیف
کہ گوناگوں حدیقۂ خوش نما ہے ۱۲۹۱ھ

خاتمۂ تالیف کتاب منجانب مؤلف

الحمد للہ و المنتہ کہ یہ کتاب حدیقۂ بے خار و گلزار تازہ بہار بفضل کردگار یعنی تذکرۂ ابرار تی اخیار حضرات الاخیار ۔ عین موسم کے وقت پھل پھول لایا ۔ مؤلف نے اپنا دلی مطلب پایا ۔ مقام شکر و تسلیم ہے ۔ کہ خداوند کریم نے مجھ عاصی و رو سیاہ گنہ گار کو اپنے دوستوں کا مشتاق بنایا ہے ۔ محبت کا راستہ دکھایا ہے ۔ اور یہ توفیق دی ہے ۔ کہ میں کسی قدر اپنے وقت عزیزہ کو حضرات اولیاء کے ذکر میں صرف کروں ۔ اور اُن کی الفت سے بہرہ پاؤں ۔ اگرچہ میں ناکارہ کجا اور یہ کار کجا ۔ مگر یہ شوق مجھ کو صرف حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی ۔ قطب ربانی ۔ سید سلطان محی الدین عبدالقادر جیلانی کی محبت میں حاصل ہوا ۔ اور محض یہ حضرت محبوب کی توجہ ہے کہ مجھ بے کار آدمی سے ایسے ایسے کار سرزد ہونے لگے ۔ بلکہ ایک عاجز و ناتوان کو یہ قوت بخشی گئی ۔ کہ پہلے اس سے کتاب خزینۃ الاصفیاء تمام بزرگوں کے حال میں اُس نے لکھی ۔ مگر وہ کتاب فارسی تھی ۔ اور بہت بڑی تھی ۔ اور شائقین ملک پنجاب کا

مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا کہ کتنے بزرگ پنجاب کے ملک میں صاحب طریقت گذرے ہیں۔ اب اس مختصر اُردو زبان کی کتاب لکھنے میں وہ دقت رفع ہوگئی۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو اولیاء اللہ کی محبت کا شائق کرے۔ اور خدا کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا ہادی پیر طریقت مل جائے۔ کہ اُس کی نگاہ تمائی سے میرے جیسے گمراہ راہ پہ آئیں۔ خدا کی محبت کا راستہ پائیں۔ کیوں کہ اب یہ لوگ عنقا ہو گئے ہیں۔ اور محبت کا حرف لوگوں کے لوح سینہ سے ہوگیا ہے۔ باطنی تو کجا ظاہری محبت کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ جو مسلمان پہلے اپنی زبان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ ذرا سے اپنے فائدہ کے لیے دوستوں سے ایسے روگرداں ہوتے ہیں کہ منہ دکھانا اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ خیر۔

قطعہ

مردمانے کہ اندریں حسین اند — کہ ملائک گہ شیاطین اند

بہ ہمیں مردماں بباید ساخت — چہ تواں کرد مردماں ایں اند

حضرات اہل محبت و عرفان کی محبت ہے۔ ایسے ناپرساں وقت میں جس کو خداوند تعالیٰ نصیب کرے غنیمت ہے۔ گو بظاہر کوئی صاحب محبت نہیں ملتا۔ مگر باطنی نسبت اُن خدا دوستوں کے ساتھ جو اس ناپرساں وقت سے اول گذر چکے ہیں۔ رکھنی ایک ضروری امر ہے۔ اور یہ ہماری ذریعہ گنہ گاروں کی بخشش کا خدا کے حضور میں ہوگا بقول سعدی علیہ الرحمۃ:۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم — بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

قطعات تاریخ خاتمہ اس کتاب جو میرے عزیزوں نے لکھ کر دیئے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔

رائے بہادر کنہیالال ہندی

بہ سال خاتمہ ہندی سے ہاتف
پکارا گلشن بے خار و دیں ہے
۱۲۹۲ھ

ڈاکٹر سید علی شاہ اُلفت

یہ سال خاتمہ ہے اس کا اُلفت — کہ یہ کیا گلستانِ بے خزاں ہے

مفتی محمد چراغ دین تدوشن

ہاتفم روشن لیسال اختتام — گفت نادر گلستان سرمدی ۱۲۹۲ھ

مفتی غلام صفدر

مصرع تاریخ کر صفدر رقم — حرزِ جاں تازہ بہار عاشقاں ۱۲۹۲ھ

یہ کتاب لاہور۔ لکھنؤ۔ کان پور اور دہلی سے متعدد بار چھپ کر شایع ہوئی

(۸) **مدینۃ الاولیاء:**۔ یہ بھی اولیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ چار سال میں مکمل ہوئی۔ اُردو نثر و نظم میں ہے۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ کان پور اور دہلی سے تین بار شایع ہوئی۔ اب نایاب ہے۔

(۹) **مناقب غوثیہ:**۔ حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ ہے۔ یہ بھی آج کل کم یاب ہے۔

(۱۰) **تحفۃ الابرار:**۔ پند نامۂ شیخ فریدالدین عطار کا منظوم ترجمہ ہے۔

(۱۱) **احوال الآخرت:**۔ پنجابی نظم ہے۔ حشر کے دن کے حالات لکھے گئے ہیں۔ مذہب اسلام کے اعتقاد کے بموجب قیامت کے دن کا پورا نقشہ دکھایا ہے۔ لاہور میں متعدد بار چھپ کر شایع ہوئی۔

(۱۲) **بہارستانِ تاریخ معروف بہ گلزار شاہی:**۔ ایک مؤرخ کی حیثیت سے بھی آپ کا درجہ بہت بلند واقع ہوا ہے۔ اور یہ تاریخ اس کا بین ثبوت ہے۔ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ ہندوستان کے ہندو راجوں کے ذکر میں ہے۔ اس میں دو چمن ہیں۔ یہ حصہ خاص طور پر آنریبل سر وگجی سنگھ بہادر کے سی ایس آئی والیٔ بلرام پور کی تحریک پر لکھا گیا تھا۔ کچھ حالات احسن التواریخ مؤلفہ سید آقا حسن رضوی لکھنوی سے لیے گئے ہیں۔ جو مہاراجہ کے خاص امرا میں سے تھے۔ اور باقی منشی جواہر سنگھ جوہر شاگرد غالب نے جو مہاراجہ کے حضور نویس تھے۔ انہوں نے فراہم کیے

اور آپ نے مختصر کر کے درج تاریخ کیے۔ مہاراجہ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ شعراء علماء و فضلاء کے مربی تھے۔ اپنا دیوان خاص اہتمام کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ دیوان کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں "مہاراج شاعر ہیں۔ راجہ تخلص کرتے ہیں" دیوان مخزنِ فصاحت" جو اسم بامسمیٰ ہے۔ مہاراج کی تصنیف ہے۔ عطیہ مہاراج راقم کے مطالعہ سے گذرا۔ ایک ایک مصرع دیوان کا بجائے تو دیوان ہے۔ سچ پوچھو تو دیوانوں کی جان ہے۔ کیوں نہ ہو۔ کلام الملوک ملوک الکلام ہے۔

دوسرا چمن اُن والیانِ ریاست کے ذکر میں ہے۔ جو حکومتِ ہند کے تحت اپنے اپنے علاقوں اور ریاستوں پر متصرف تھے۔

دوسرا حصہ مسلمان سلاطین کے حال میں ہے۔ عہد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے زمانے تک ہے۔ یہ حصہ ۵۳ چمنوں پر مشتمل ہے۔ اسلامی حکمرانوں کا کوئی معروف خاندان ایسا نہیں چھوڑا۔ جس کا ذکر نہیں کیا۔ تمام خاندانوں کے حالات مستند عربی و فارسی تاریخوں سے اخذ کر کے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کیے اسے تاریخی قاموس کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ آخر میں اُن مسلم ریاستوں کا ذکر ہے۔ جو سلطنتِ مغلیہ کے ضعف کے بعد ہندوستان میں قائم ہوئیں۔

تیسرا حصہ سلاطین انگریزی کے حالات میں ہے۔ ابتدائے سلطنت سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے حالات اختصار کے ساتھ درج ہیں۔

یہ تاریخ پہلی بار ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۵ء میں لاہور سے شایع ہوئی۔ دوسری بار مطبع نول کشور لکھنؤ سے اضافہ و تصحیح کے بعد ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں شایع ہوئی۔ دیباچہ میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

بعد حمد کردگار و نعت سید ابرار سرورِ عالم روحِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم۔

احقر المحتقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد حضرت مولانا مفتی غلام محمد خلف حضرت مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری شائقین علم تواریخ کی خدمت میں ملتمس ہے۔ کہ اگرچہ پہلے ہی سلاطین روئے زمین کے ذکر سے صدہا کتابیں

سینکڑوں تاریخیں مورخانِ سلف بزبان عربی و فارسی وغیرہ لکھ چکے ہیں۔ مگر بسبب طوالت وطویل کتاب کے دیکھنے کو ایک مشکل تصور کرکے اس کے مطالعہ سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ اس واسطے بندۂ تحیف ومورِ ضعیف غلام سرور نے اُن تاریخوں میں مطالعہ کرکے یہ چھوٹا سا مجموعہ لکھا۔ اور وہ مشکل جو شائقین تواریخ کو بڑی کتابوں میں پڑتی تھی۔ رفع کر دی۔ اور نام کتاب کا بہارستانِ تاریخ المعروف گلزارِ شاہی رکھا۔ اور کتاب کے حصص علیحدہ علیحدہ مقرر کرکے ہر ایک حصہ کے الگ الگ چمن ٹھہرائے۔ ہر ایک چمن ایک ایک خاندان ووالیانِ ملک کا حال جدا جدا لکھا۔ جس کی فہرست میں مفصل تفصیل ہے۔ "بہارستانِ تاریخ" کے مادہ سے ۱۹۲۰ سنہ بکرمی حاصل ہوتا ہے۔ جس سال اس کی تالیف ختم ہو کر پہلی دفعہ چھاپی گئی تھی۔ اس دوسرے چھاپے کے وقت کسی قدر حالات سلاطین نامدار کے ایزد ہوئے۔ خداوند تعالیٰ میری اس عرق ریزی کو قبول فرما کر پڑھنے والوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔

قطعۂ تاریخ

ہوا ترمیم جس دم دوسری بار ۔ یہ نسخہ معتبر گلزار شاہی

رقم کر مصرع تاریخ سرور ۔ کتاب نامور گلزار شاہی ۱۲۹۴ھ

مثنوی فی الخاتمہ

بہ لطف ایزد و فضلِ الٰہی ۔ ہوئی سرسبز پھر گلزار شاہی

سحاب فیض حق برسا یہ تکرار ۔ پھلا پھولا یہ بستان دوسری بار

نیا یہ باغ رنگیں رنگ لایا ۔ نئی طرز اور نرالا ڈھنگ لایا

نئے گلزار میں پھولے نئے پھول ۔ ہوئی بلبل یہ سیر باغ مشغول

یہ مجموعہ بہت اچھا بنا ہے ۔ کتاب اچھی ہے نسخہ دلربا ہے

یہ ہے تاریخ تاریخ سلاطین ۔ یہ ہے ذکر شہنشاہاں حق بیں

کہیں ہے ہندوؤں کا ذکر مذکور ۔ کہیں ہے حالتِ اسلام مسطور

کہیں لکھا گیا ہے حالِ انگریز ۔ بنی نادر کتاب، فرحت انگیز

خدا سے اب یہ سرور کی دعا ہے | یہی بندہ کے دل کا مدعا ہے
کہ دنیا میں رہے خنداں یہ گلزار | خدا اُس کو نہ دکھلائے کوئی خار
کبھی ہووے نہ دخل اس میں خزاں کا | رہے خوش دل ہمیشہ باغباں کا
یہ لبستانِ فصاحت تا قیامت | رہے سرسبز مثلِ باغ جنت
سدا اس سے زمانہ فائدہ پائے | جو مانگے حق سے وہ فی الفور ہو جائے

بحق اہل بیت شاہِ ابرار
پذیرا ہو دعائے سرورِ زار

(۱۳۱) مخزنِ حکمت :- اُردو نثر و نظم میں ہے۔ ۱۲۸۸ھ میں دو مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں تیسری مرتبہ تصحیح کے بعد مطبع نول کشور سے آٹھ بار چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں حکمار متقدمین و متاخرین اور فضلاء و صوفیا کے تاریخی حالات۔ اُن کے اقوال اور پند و نصائح کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف نے دیباچہ میں سبب تالیف اس طرح رقم کیا ہے۔

حمد و ثنا کے لائق وہ قادر بے چوں۔ صانع گوناگوں۔ خالقِ بوقلموں۔ حق جل و علا۔ ذاتِ کبریا۔ والی بے ہمتا۔ جس نے ایک کن کے امر سے دونوں جہان۔ زمین و آسمان۔ جن و انسان۔ کل حیوان۔ سب سامان بنایا۔ قدرت کا جلوہ دکھایا۔ سب سے اعلیٰ و اشرف انسان کو کیا۔ عقل کا چراغ اُس کے ہاتھ میں دیا۔ جس کے نور سے انسان کے دل نے روشنی پائی۔ آنکھوں میں بینائی آئی۔ حق کو پہچانا۔ خالق کو برحق اور حق کو حق جانا۔ حقیقت کا راستہ پایا۔

نام حق نام خدا کیا نام ہے | سارے ناموں سے ہے جسکو برتری

اسلام کے امام۔ حضرت خیر الانام۔ سید ابرار۔ احمد مختار۔ محمد مصطفےٰ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی ہدایت سے لاکھوں گمراہ سینہ سیاہ۔ سیدھی راہ پر آئے مسلمان کہلائے۔

ذات پر جن کی نبوت ختم ہے | ہیں محمد مصطفےٰ صل اعلیٰ

لوگ سب پڑھتے ہیں انکے نام کو | روز و شب صبح و مساحل اعلیٰ
ہو گہر ریزی سے اس کی ماہ و سال | پُر گہر دامانِ ہر اہلِ کمال
رکھے حق روشن اسی سے صبح و شام | سرورِ گمنام کا دنیا میں نام
آسماں جب تک زمین ہے جب تلک | مہر و مہ کرسی نشیں ہے جب تلک
فائدہ اس سے کرے حاصل جہاں | مستفید اس سے رہے دورِ زماں

قطعۂ تاریخ از مصنف

ہوا ظاہر بفضلِ ایزدی جب | یہ فضل و علم و حکمت کا دفینہ
بسالِ خاتمہ ہاتف نے سرورؔ | کہا ہے عمدۂ حکمت کا خزینہ ۱۲۹۵ھ

قطعۂ تاریخ از رائے بہادر کہنیا لال اگزیکٹو انجینیر لاہور ڈویژن

چہ نادر مخزن است این مخزنِ ہوش و خردمندی
سراسر بحرِ فضل و عینِ علم و معدنِ حکمت
چہ بستانی ست این بستاں سرائے فیضِ حقانی
چہ گلبن گلبنِ عرفاں چہ گلشن گلشنِ حکمت
مدد جستم ز ارواحِ حکیماں بہر تاریخش!
ندا از جانِ افلاطوں مکمل مخزنِ حکمت ۱۲۹۵ھ

(۱۴) تحفۂ سروری: منظوم کتاب ہے۔ سات حصوں میں منقسم ہے۔ منصوفانہ و اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ مطبع نول کشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شایع ہوئی

پہلا حصہ۔ عبادت و خاکساری اور عجز و نیاز میں ہے۔

دوسرا حصہ۔ اختتام وقت و بے اعتباریٔ عمر کے متعلق ہے۔

تیسرا حصہ۔ نیک نامی حاصل کرنے اور ترکِ علائق کی تعلیم میں ہے۔

چوتھا حصہ۔ شجاعت و مروت کے فوائد میں ہے۔

پانچواں حصہ۔ خیرات و مبرات کی توصیف میں ہے۔

چھٹا حصہ۔ توبہ کرنے اور گناہ پر پشیمان ہونے کے بیان میں ہے۔

ساتوں حصہ۔ اتفاق و ہمدردی کے فوائد اور نفاق و تعصب و عداوت کے نقصان میں ہے۔

حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں:۔

یہ اب لکھا گیا دلچسپ نامہ بنوکِ خامۂ عنبر شمامہ

من بعد احقر المحقر۔ سراپا عیب خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد و لا حقیقت آگاہ مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی ہاشمی سہروردی عرض پرداز ہے۔ کہ جب کمترین پہلی کتابوں گلدستۂ کرامات، خزینۃ الاصفیا۔ گنج تاریخ کی تحریر سے فراغت پائی۔ تو مناسب سمجھا کہ ایک اور مختصر کتاب حکمار متقدمین و متاخرین کی تاریخ اور اُن کے اقوال و افعال۔ اخلاق و آداب۔ نکات و حکایات۔ حکمت و پند و نصائح میں جمع کر کے طلبہ کو فائدہ پہنچاؤں۔ دنیائے فانی میں اپنے نام سے یہ نشان چھوڑ جاؤں۔ جس کے مطالعہ سے ہر ایک شائق فیض پائے۔ دیکھنے والا حظ اٹھائے۔ مؤلف کے حق میں دعائے خیر کرے۔ نام اس کا مخزنِ حکمت رکھا۔ اور تین حصوں میں تقسیم ہوئی۔

پہلا حصہ:۔ قدیم زمانہ کے حکیموں کے احوال اور اُن کے وعظ و پند و حکمت و نصائح و اقوال و افعال۔ نکات و حکایاتِ حکمت کے بیان میں۔

دوسرا حصہ۔ اسلام کے ظہور کے بعد کے حکمار و فضلا، اور اُن کے اقوال و افعال و نصائح و حکایاتِ حکمت کے بیان میں۔

تیسرا حصہ۔ بعض بادشاہوں کے حالات و حکایات و اقوال و افعال و اخلاق و عدل کی تشریح میں۔

پہلے یہ مخزن دو مرتبہ ۱۲۸۸ھ میں چھپ کر تحفۂ نظر اربابِ بصیرت ہوا۔ جب تیسری بار میرے دوست قدیم عالی جناب منشی نول کشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ نے خود اس کے چھاپنے کا مصمم ارادہ کیا۔ تو کمترین نے اس کی نظم و نثر کو پھر دیکھا۔ اور اپنی رائے ناقص سے حتی الامکان اُس کی اصلاح کی۔ چونکہ انسان ضعیف البنیان سہو و خطا سے کبھی خالی نہیں ہے۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں نہایت عجز کے ساتھ التماس کرتا ہوں۔ کہ اگر وہ عندالمطالعہ اس کی نظم و نثر میں کوئی نقص پائیں۔ اصلاح فرمائیں۔ ورنہ خاموش رہیں عیب جوئی و انگشت نمائی نہ کریں۔

گناہ سے آدمی کوئی نہیں پاک　　کوئی انسان نہیں نسیاں سے خالی
ہے کام اس کا جب آخر بھول جانا　　تو پھر کیوں کر ہو یہ نقصاں سے خالی

مثنوی در خاتمۂ کتاب

سرور اب بس کر نہ کر زیادہ کلام　　تاکہ ہو یہ مخزنِ حکمت تمام
ہو یہ گنجینہ بہ فضل کردگار　　دائماً مطبوعِ طبعِ روزگار
مقرر اس کا تحفۂ سروری نام　　کہا سرور نے بہ اعزاز و اکرام
ہُوا یہ تحفہ سات حصوں میں تقسیم　　بہ تعدادِ حساب ہفت اقلیم
برائے انکشافِ حال تاریخ　　پئے اظہارِ سن و سال تاریخ

یہی جملہ بسروش غیب بولا
کہ کیا نادر ہے یہ سرورؔ کا تحفہ ۱۳۱۹ھ

(۱۵) اخلاق سروری:۔ یہ کتاب بھی علم اخلاق میں اُردو نظم و نثر میں ہے۔ اخلاقی مضامین پر ایک نادر چیز ہے۔ اس میں اخلاق کی اصلاح اور دوسرے اخلاقی نکات سے روشناس کرایا گیا ہے۔

انداز بیان نہایت سادہ و دل نشین ہے۔ گلشنِ سروری، تحفۂ سروری اور اخلاق سروری ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ تینوں کتابیں اس پایہ کی ہیں۔ کہ ان ٹوٹ پھوٹ بے معنی و بے مغز نظموں کی بجائے مدارس میں داخلِ نصاب کی جائیں۔ ان سے جہاں طلبہ زبان و بیان کی خوبیوں سے آگاہ ہوں گے۔ وہاں تہذیب، اخلاق و اعمال کے اسرار و رموز سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ پھر خوبیٔ کلام یہ ہے۔ کہ یہ کتابیں طلبہ و اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید و بہ کار آمد ہیں۔ یہ ایک علمی خدمت بھی ہوگی۔ اور مذکورہ کتابیں نایاب ہونے سے بھی بچ جائیں گی۔ اسی طرح بہارستانِ تاریخ اور تاریخ مخزنِ پنجاب اُردو زبان میں

اعلیٰ درجہ کی مستند تاریخیں ہیں۔ اگر ان کتب کو بھی عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایڈٹ کر کے تصحیح و حواشی کے ساتھ شایع کیا جائے۔ تو یہ بہت بڑی تاریخی و علمی خدمت ہوگی۔ نیز خزینۃ الاصفیا، گنج تاریخ، فارسی زبان میں اور حدیقۃ الاولیا، اردو زبان میں۔ ایسی نادر کتابیں ہیں جو فن تاریخ و سوانح نگاری میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور پاک و ہند میں آج تک جتنی کتابیں اس فن میں شایع ہوئی ہیں۔ ان سب کے اکثر و بیشتر ماخذ یہی تینوں کتابیں ہیں۔ اگر ان کتب کی حفاظت کے لیے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ تو کچھ عرصے کے بعد یہ کتابیں بھی بالکل کم یاب ہو جائیں گی۔ اس لیے جہاں ہمارے علمی اداروں کو ان کتب کے تحفظ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ وہاں خاندان کے ذی علم و صاحب ثروت حضرات پر بھی یہ اخلاقی فرض عاید ہوتا ہے۔ کہ وہ خاندان کے علمی نوادر کی حفاظت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں۔ تاکہ آباؤ اجداد کے یہ علمی شاہکار محفوظ ہو کر آیندہ نسلوں کے لیے دلیل راہ بن سکیں۔

(۱۶) دیوان حمد ایزدی۔ ۱۸۸۰ء میں چھپ کر شایع ہوا۔ حمد باری تعالیٰ میں ہے مضامین متصوفانہ و عارفانہ ہیں۔ لاہور، لکھنؤ اور کانپور میں کئی مرتبہ چھپ کر مقبول خاص و عام ہوا۔

(۱۷) دیوان نعت سرور:۔ ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۲ء تک ہزاروں کی تعداد میں اس کے نسخے چھپ کر مشتہر ہوئے۔ اردو نظم میں ہے۔ بعض فارسی غزلیں بھی ہیں لاہور میں چھ دفعہ اور لکھنؤ و کانپور میں دو مرتبہ چھپا۔ ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۸) انشائے یادگار اصغری:۔ اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت مغفور نے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام پر لکھی تھی جو بارہ برس کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں وفات پا گیا تھا۔ علمی و ادبی مضامین پر مشتمل ہے۔ بعض مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور انوکھے ہیں۔ ہر مضمون سے کوئی نہ کوئی اخلاقی و اصلاحی نتیجہ نکالا ہے۔ اسلوب بیان دلکش ہے۔ زبان سادہ و پر تاثیر ہے۔

(۱۹) لغات سروری:۔ اس کا تاریخی نام زبدۃ اللغات ہے۔ عربی۔ فارسی

اور ترکی الفاظ پر مشتمل ہے۔ معانی اُردو میں بیان کیے ہیں۔ پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ لغت شعراء کے لیے قوافی کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر ایک حرف لغت میں آخری ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ تاکہ قوافی کی ترتیب قائم رہے۔

لاہور اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے کئی مرتبہ چھپ کر شایع ہوئی۔ دیباچۂ لغت میں سببِ تالیف بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

بعد حمد و ثنائے رب العالمین و نعت سید المرسلین، خاتم النبین، احمد مجتبےٰ۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مدح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی الاسدی الہاشمی سہروردی۔ خدمت میں اربابِ دانش و بینش و اصحاب اہل بصیرت کی یہ عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے میں نے چند کتابیں مثل گلدستۂ کرامات۔ بہارستان تاریخ حدیقۃ الاولیاء۔ دیوانِ سروری۔ نعتِ سروری۔ گلشنِ سہروردی، تحفۂ سہروردی لکھی ہیں۔ جو بار بار چھپ کر تحفۂ نظر احباب ہو چکی ہیں۔ اب یہ ارادہ ہوا۔ کہ ایک مفید نسخہ لغت کے علم میں ایسے طرز سے لکھا جائے۔ کہ شعراء کو قافیہ و ردیف میں مدد دے۔ اور شائقین لغت کو لغت میں۔ اور ردیف ہر ایک لغت کے اخیر حرف پر رکھی جائے۔ پہلے حرف کی ردیف کی تغیر و تبدل بھی از روئے حروف تہجی لحاظ رہے۔ فارسی و عربی و ترکی لغات کے معانی اردو زبان میں تحریر ہوں۔ چنانچہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ مفید نسخہ تحریر میں آیا۔ اور بڑی کتابوں مثلاً برہان قاطع۔ منتخب رشیدی، صراح اور غیاث وغیرہ سے انتخاب ہو کر اس میں درج ہوئے۔ اور لغاتِ سروری نام رکھا گیا۔ اور اٹھائیس باب پر اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

فصلیں ہر ایک باب کی پہلے حرف تہجی کی رعایت سے جدا جدا قرار پائیں۔ اور ابواب اخیر حروف کے شمار پر قائم ہوئے۔ اور نشان ہر ایک زبان کا ہر ایک لغت کے ساتھ تحریر ہوا۔ یعنی جو عربی کی لغت ہے اس کے واسطے عین۔ فارسی کے ساتھ فا۔ ترکی کے ساتھ تا۔ اور یونانی کے ساتھ تا۔ علیٰ ہذا القیاس تحریر ہوا۔

(۲۰) جامع اللغات :- یہ آپ کی آخری اور بہت ہی قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ مستند لغت منشی نول کشور مالک مطبع نول کشور لکھنؤ کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ یہ اپنی طرز کی نئی لغت ہے۔ اور فن لغت میں اپنی ندرت و جامعیت اور انداز بیان کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ ۱۸۹۰ء میں تیار ہوئی۔ اس کے پانچ باب ہیں۔

باب اول :- عربی، فارسی، ترکی الفاظ ہیں۔ معانی اردو میں تحریر ہوئے ہیں۔

باب دوم :- اردو الفاظ اور عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو اردو میں رائج و مستعمل ہیں۔

باب سوم :- فارسی محاورات و اصطلاحات اور سند میں اساتذہ کا کلام ہے۔ اور جہاں کہیں کسی استاد کا شعر بطور سند نہیں مل سکا۔ وہاں اپنا شعر بطور محل استعمال لکھا ہے۔ محاورات و اصطلاحات کے معانی اردو میں بیان کیے ہیں۔

باب چہارم :- اردو محاورات و اصطلاحات کی تشریح اور سند میں اساتذہ کا کلام۔

باب پنجم :- علم ادویہ کے بیان میں ہے۔ تمام ادویہ کے عربی، فارسی اور ہندی نام اور ان کے مزاج و خواص درج کیے ہیں۔ فاضل مؤلف لغات کے آغاز میں سبب تالیف اور مذکورہ بالا باتوں کی توضیح بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

خوشہ چین، خرمن ارباب فضل و ہنر، غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی کی یہ گزارش ہے۔ کہ کمترین نے علاوہ اپنی اور تصانیف و توالیف نظم و نثر اردو و فارسی کے پہلے بھی زبدۃ اللغات المعروف بہ لغات سروری، لغت کے علم میں لکھی تھی۔ جو اب تک دوبار چھپ کر بدیۂ نظر اہل بصیرت ہو چکی ہے۔ اب پھر میرے محب قدیم عنایت فرما۔ کرم گستر۔ قدردان علم و ہنر۔ منشی نول کشور مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ خاص طور پر میرے مکلف حال ہوئے۔ کہ ایک اور لغت کتاب جامع اللغات عربی و فارسی و ترکی و اردو الفاظ و محاورات سلیس اردو زبان میں لکھی جائے اور لغات و محاورات کتب معتبرۂ متقدمین و متاخرین سے لیے جائیں۔ پس تعمیل ارشاد اپنے

مربی کے کمر ہمت کی چست باندھ لی۔ الحمد للہ کہ دن رات کی محنت۔ صبح و شام کی عرق ریزی اور ساعت کی جاں فشانی سے یہ کام بہ انجام پہنچا۔ جامع اللغات نام رکھا گیا ہے۔ اور تیس ابواب پر تقسیم ہوئی۔ اور ہر ایک باب میں پانچ پانچ فصلیں ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کے ہر باب کی تقسیم ردیف وار پہلے حرف پر تقسیم ہوئی ہے۔ مگر ہر ایک فصل میں آخری حرف کی رعایت پر بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ غیاث اللغات نے دونوں ردیف اولین و آخرین سے زینت بخشی۔ وہی طریقہ اس جامع نسخہ میں ملحوظ رہا۔

فرہنگ آصفیہ از مولوی سید احمد دہلوی۔ امیر اللغات از امیر مینائی لکھنوی۔ نور اللغات از مولوی نور الحسن منیر کاکوروی۔ نفائس اللغات از مولوی اوحد الدین بلگرامی اگرچہ اسی صدی کی تصانیف ہیں۔ جو ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اسی زمانے میں شایع ہوئیں۔ مگر پنجاب میں اس سے پیشتر کوئی ایسی مستند اور جامع لغت نہیں لکھی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین نے ایک مختصر سی لغت کریم اللغات کے نام سے لکھی تھی۔ جس کی اس جامع اللغات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس کمی کو آپ نے پورا کیا۔ اس کے بعد پنجاب میں جتنے فرہنگ ولغت لکھے گئے۔ مثلاً فیروز اللغات وغیرہ۔ یہ سب تغیر ہیئت و اسلوب بیان و تحقیق لغت جمع اللغات ہی کے خوشہ چین ہیں۔

(۱۲) کلیاتِ نعت سرور:۔ دیوانِ نعت سرور ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر خواص و عوام سے خراج تحسین حاصل کر چکا تھا۔ جب آپ ۱۸۹۰ء میں بیت اللہ و زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تشریف لے گئے تو دو... یہ غزلیں اثنائے سفر حج میں تصنیف فرمائی تھیں۔ آپ کے فرزند مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل نے ان نعتیہ غزلوں کو دیوانِ وصالِ سرور کے نام سے شایع کیا تھا۔ اور بعد ازاں ان کے برادر اصغر حکیم مفتی محمد انور نے آپ کا تمام و کمال نعتیہ کلام کلیاتِ نعتِ سرور کے نام سے شایع کیا۔ جس میں اکثر و بیشتر نعتیں اردو میں ہیں۔ لیکن متعدد فارسی بھی ہیں۔ آپکے تمام منظوم کلام کی زبان نہایت پاکیزہ و رواں و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ خاص کر مثنوی تحفۂ ... مثنوی گلشن سروری۔ مثنوی اخلاق سروری۔ جدت ادا زبان و بیان کی روانی

اور مطالب و معانی کی فراوانی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

بعض الفاظ و محاورات سے قطع نظر کرکے جو اس وقت متروک ہیں۔ سارے کا سارا کلام اردو محاورہ و روزمرہ کے عین مطابق ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ایک ایک شعر عشقِ رسول میں ڈوب کر کہا ہے۔ اور اساتذہ نے بھی نعتیں لکھی ہیں۔ بلکہ نعت گوئی میں صاحب دیوان ہوئے ہیں۔ مگر اُن کا کلام قال ہے حال نہیں۔ مفتی غلام سرور صوفیٔ باصفا اور صاحب دل شاعر تھے۔ یہاں مصرع مصرع سے سچے اور دلی جذبات ٹپک رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑی چیز جو تمام کلام میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ وہ حفظِ مراتب ہے۔

حمدِ باری تعالیٰ۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدح صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور منقبتِ بزرگانِ دین میں حدِ فاصل رکھی ہے۔ جس سے آپ کے تبحرِ علم اور مرتبہ شناسی کا پتہ چلتا ہے۔ حتیٰ کہ زبان اور تشبیہات و استعارات میں بھی یہ نازک فرق ملحوظ رکھا ہے تمام کلیات لفظی و معنوی خوبیوں کا آئینہ دار ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ کلیات کے آخر میں مخمس۔ مسدس۔ ترجیع بند اور ترکیب بند ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی منقبت میں ایک سی حرفی ہے۔ اہل بیت' خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین اور دیگر بزرگانِ دین کی مدح و منقبت میں آب دار اشعار لکھے ہیں۔ سب سے آخر درود شریف شمس الضحیٰ ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

ہر کہ ہر روز بخواند۔ در دین و دنیا محترم گردد و بندہ در وقتیکہ ایں درود شریف تصنیف کرد۔ مشکل کشائی کارِ خود فی الفور از جناب۔ آں حاصل نمود۔ درودِ مکرم ایں است اس درود شریف کے ۱۹۰ اشعار ہیں۔ سلاست و روانی اور مطالب کی فراوانی میں بےنظیر و بےعدیل ہے۔ اسی طرح آپ نے جو کتابیں فارسی و اردو نثر میں لکھی ہیں۔ اُن کی زبان اور اسلوب بیان بھی مشکل نہیں۔ تمام نثر عاری ہے۔ مگر اس زمانے کے طرزِ انشار اور مذاقِ علمی کے مطابق اکثر فقرات نثر مرجز و مقفیٰ میں بھی ہیں۔ مگر اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو کلام میں تصنع و تکلف واقع ہُوا ہے۔ اور نہ نقص روانی و تعقید معانی نے راہ پائی ہے۔

اردو نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مگر تمام الفاظ و تراکیب عربی و نادر الکلامی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ کہیں ثقالت پیدا نہیں ہوئی۔

مفتی غلام حیدر

حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے فرزند اکبر تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی ہی کے زیر سایہ پائی تھی۔ فارسی و اُردو کے خوش فکر شاعر تھے۔ محکمۂ تعمیرات پنجاب میں ملازم تھے۔ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں وفات پائی۔ "غلام آل حیدر" تاریخ وفات ہے۔

اولاد:۔ فرزند۔ حکیم مفتی عطا محمد ابوبکر

(۲) مفتی سید عالم۔

(۳) اجلال بیگم۔

حکیم مفتی عطا محمد ابوبکر نارتھ ویسٹرن ریلوے میں ملازم تھے۔ ۲۸ مارچ ۱۹۲۶ء میں لاولد وفات پائی۔

مفتی سید عالم اور اجلال بیگم نے بھی عین جوانی میں لاولد وفات پائی۔

مفتی غلام صفدر فوقانی منشی فاضل وکیل

مفتی غلام صفدر نام ۔ فوقانی تخلص ۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے فرزند دوم تھے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں حاصل کی ۔ پھر اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا ۔ اور اسی کالج سے ورنیکلر لا کلاس سے وکالت کی سند لی ۔ پہلے لاہور میں وکالت شروع کی ۔ پھر فیروزپور چلے گئے ۔ اور وہاں چالیس سال تک ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے وکالت کرتے رہے ۔ آخری عمر میں خرابیٔ بینائی کے باعث ۱۹۱۹ء میں لاہور آ گئے ۔ اور اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں میں اپنے والد ماجد کی حویلی میں سکونت اختیار کر لی ۔

آپ جہاں اعلیٰ درجے کے وکیل تھے ۔ وہاں نہایت بلند پایہ فارسی و اردو زبان کے ادیب و شاعر بھی تھے ۔

۱۶ مارچ ۱۹۲۳ء میں وفات پائی ۔ مرقد گڑھی شاہو احاطۂ سید جان محمد حضوری میں ہے ۔

اولاد ۔ فرزند (۱) مفتی غلام جعفر ۔

(۲) مفتی محمد والا گوہر ۔

دختر (۱) سعادت بیگم ۔ زوجہ مولوی مفتی لامع الدین ۔

(۲) ممتاز بیگم تسنیم ۔ زوجہ احسان الحق غوری ۔

(۳) رقیعہ بیگم خورشید جمالی ۔

تصانیف :۔ (۱) انشائے صفدری ۔

(۲) معلومات فوقانی المعروف بہ تحقیق الحروف ۔

(۱) انشائے صفدری ۔ فارسی خطوط و رقعات کا مجموعہ ہے ۔ اصل مضمون فارسی

نثر میں ہے۔ پھر وہی مضمون اردو نثر میں ادا کیا گیا ہے۔ فارسی کے مبتدیوں کے لیے عمدہ کتاب ہے۔

فاضل مصنف دیباچہ میں رقم طراز ہیں:۔

حمد و ثنا کے لائق وہ منشی حقیقی و انشا پرداز تحقیقی ہے۔ کہ جس نے اپنے خامۂ استعداد سے کون و مکاں کے انشا کی سلسلہ بندی کی۔ طرح طرح کے فقروں سے کائنات کی عبارت کو آراستگی دی۔ جس کے مطالعہ سے عقل دوربین حیران ہے۔ صاحب عقل سرگردان ہے۔

قطعہ

ذات حق ہے عالم علم و کمال | منشی انشائے ملک دو جہاں
دفتر عالم کا سر دفتر ہے وہ | کاشف راز زمین و آسمان
جس کے سجدے میں قلم ہے سرنگوں | مدح میں ہے لوح جسکی مدح خواں
حرف حرف اور لفظ لفظ اور بیت بیت | ہو گئے سب اُسکے دیواں سے عیاں

بہت بہت تعریف۔ بے شمار توصیف۔ حضرت پیغمبر شفیع اکبر۔ احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جس کے نام نامی و اسم گرامی سے زمانہ کے دیباچہ نے رونق پائی۔ ہدایت کے علم کی ترقی ظہور میں آئی۔

قطعہ

محمد واقف سرّ الٰہ ہے | محمد عالم علم خدا ہے
خدا کے علم کا جتنا ہے دفتر | اُسی کے لوح سینہ پر لکھا ہے
کوئی کیا کر سکے تعریف اُس کی | خدا مداح خود اس کا ہوا ہے

من بعد احقر غلام صفدر خلف مفتی معنی پرور شاعر نامور۔ فاضل لاکبر مولانا مفتی غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی لاہوری۔ شائقین با تمکین کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ میرے والد بزرگوار نے بزمانہ میری تعلیم کے جس قدر خطوط فارسی و اُردو مجھ بندہ اور اخِ والا منزلت مفتی غلام حیدر کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ اُن سب کو بندہ نے کار آمد و پر فائدہ سمجھ کر جمع رکھا۔ اور اب ان سب کو جمع کر کے یہ مجموعہ بنایا۔ انشائے صفدری

اپنے نام پر اس کا نام رکھا۔ چار باب پر تقسیم کیا۔

پہلا باب۔ بجانب اعلیٰ۔

دوسرا باب۔ بجانب اوسط

تیسرا باب۔ بجانب ادنیٰ

چوتھا باب۔ تحریرات متفرقات۔

ہر ایک باب میں یہ رعایت مرعی رہی ہے۔ کہ جس خط یا رقعہ وغیرہ کا مضمون پہلے فارسی میں تحریر ہوا ہے۔ وہی مضمون اردو میں بجنسہٖ ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً

فارسی	اُردو
قبلہ و کعبۂ دو جہاں۔ ملجائے فرزنداں دام اقبالہ۔ تسلیم و نیاز۔ کمترین از خدمت بابرکت رخصت شدہ در گوجرانوالہ رسید و خط عنایتی جناب اسمی منشی ثناء اللہ صاحب بخدمت ایشاں گذرانیدہ۔ بملاحظہ اش مہربانی ہا کردند۔ بدیوان خانۂ خاص برائے قیام حکم دادند۔ در باب حصول روزگار بندہ مساعی شدہ۔ نام ایں گمنام در زمرۂ امیدواران ضلع درج کنانیدند۔ حالا فدوی بدولت خانۂ منشی صاحب ممدوح مقیم است و ہر روز بہ کچہری حاضر باش مے باشد انشاء اللہ تعالیٰ بتوجہ جناب عنقریب صورت مطلوب بہ ظہور خواہد رسید۔ زیادہ نیاز۔	قبلہ و کعبۂ دو جہاں۔ ملجائے فرزنداں دام ظلہٗ۔ تسلیم و نیاز کے بعد واضح رائے ہو کہ کمترین خدمتِ بابرکت سے رخصت ہو کر گوجرانوالہ میں پہنچا۔ اور خط عنایتی جناب کا منشی ثناء اللہ صاحب کی خدمت میں گذرانا خط دیکھ کر انہوں نے بڑی مہربانی کی اپنے دیوان خانہ میں بندہ کو قیام کے لیے جگہ دی اور میرے روزگار کے لیے مساعی ہوئے اور میرا نام ضلع کے امیدواروں میں درج کرا دیا۔ اب کمترین منشی صاحب کے دولت خانہ میں رہتا ہے۔ اور ہر روز کچہری جاتا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب حضرت کی توجہ سے اپنی مراد کو پہنچے گا۔ زیادہ نیاز۔

(۲) معلومات فوقانی المعروف بہ تحقیق الحروف۔ اس کتاب میں حروف تہجی کے لغوی معنی اُن کا استعمال اور تبدیلی بیان کی ہے۔

یہ کتاب ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ اور لاہور سے متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

یہ کتاب فارسی کے اصول و قواعد سمجھنے کے لیے بڑی مفید ہے۔ سند میں اساتذہ کا کلام دیا ہے۔ فاضل مصنف کتاب کے دیباچہ میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

حمد بے حد و سپاس بے عدد۔ حضرت خالق جن و انس۔ صانع کون و مکان کو لائق ہے۔ جس نے انسان کو مشتِ خاک سے پیدا کر کے عقل و فہم عطا کیے۔ نباتات۔ جمادات حیوانات اپنی کمالِ صنعت سے بنائے۔ قلم دو زباں اُس کی حمد میں بے زباں و حیران ہے اور اہل قلم نقش بدیوار و سرگرداں۔

حمد (مثنوی)

الٰہی توئی مالکِ جسم و جاں | توئی والیِ ملک کون و مکان
ضیا بخش دل ہائے انساں توئی | شہنشاہ اقلیم دوراں توئی
ز نورِ تو شد جلوہ مہر و ماہ | عیاں شد ز تو نورِ شام و پگاہ
خبر گیر حالِ غریباں توئی | نصیبہ دہ بے نصیباں توئی
کسِ بیکسانی پر بے پراں | سرافسراں سرورِ سروراں
توانِ تنِ ناتواناں توئی
بجسم جہاں قوتِ جاں توئی

نعت

اور درودِ نامحدود۔ خاتم النبین شفیع المذنبین کی ذاتِ مبارک پر جس نے خلق دو عالم کو سیدھا راستہ دکھلایا۔ چاہِ ضلالت سے نکال کر سرچشمہ ہدایت پر پہنچایا۔

علیہ افضل الصلوٰت حقاً | من الرحمان ذی فضل العظیم

مثنوی

جناب محمد رسولِ خدا | بمشکل مددگار و مشکل کشا
محمد نبی و محمد ولی | محمد غنی و محمد سخی

محمد شفیع ہمہ بندگاں　　محمد خبر دار راز نہاں
سلاطین عالم گدائے درش
ہمہ تاجداراں فدائے سرش

حمد و نعت کے بعد احقر بندگانِ ربانی مفتی غلام صفدر فوقانی منشی فاضل وکیل عدالت ابنِ فضیلت مآب سخنورِ نامور مولانا مفتی غلام سرور ظاہر کرتا ہے۔ کہ میں نے پہلے بھی ایک کتاب انشارِ صفدری نام لکھی تھی۔ جو کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ اور اب یہ چند سطریں اپنے دلی شوق سے حروفِ تہجی کے لغوی معنوں اور اُن کے اقسام اور تبدلات وغیرہ میں کتب اساتذہ مثلاً جواہر الحروف۔ تحفۃ العجم۔ ہفت قلزم۔ مؤید الاساتذہ۔ گلبن اکبر۔ مخزن الفوائد۔ غیاث اللغات۔ ضبواطِ عظیم۔ رشیدی۔ مدار الافاضل۔ برہان قاطع وغیرہ سے انتخاب کرکے لکھے ہیں۔ اور تحقیق الحروف نام رکھا ہے۔ اربابِ علم و فضل سے بحکم الانسان مرکب"... الخ اور بہ مقتضائے

بہ پوش گر بخطائے رسی و طعنہ مزن
کہ ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نبود

خطا و سہو سے جو کہیں سرزد ہوا ہو۔ معافی کی امید کی جاتی ہے۔

کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں۔

خداوند لایزال کا کمال شکر ہے۔ کہ تحقیق الحروف ختم ہوئی۔ خداوند تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے اس کو منظورِ نظر خاص و عام کرے۔ طالبانِ علم اس سے فائدہ اٹھائیں۔ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ اور یہ نسخہ میرے نام سے دنیائے فانی میں یادگار رہے آمین۔ ثم آمین۔

قطعۂ تاریخ اختتام کتاب تحقیق الحروف از مؤلف۔

طرفہ تر تحقیق فوقانی است ایں　　معدنِ تنظیم تنسیق الحروف
داں لسالِ اختتام ایں کتاب
گفت بحرِ علم تحقیق الحروف ۱۲۹۶ھ

نمونۂ کلام: منظوم کلام سیدھا سادا ہے۔ مگر جذبات کی پوری عکاسی کرتا ہے کلام میں محاورہ و روزمرہ کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ توحید۔ اخلاق اور تصوف کے مضامین زیادہ ہیں۔ کہیں کہیں رنگ غزل بھی لطف دے جاتا ہے۔

فارسی

مدار اندیشہ لیکن از خدا دار ... مترس از کس ولیکن از خدا ترس
کند بہ دولت خود ناز صاحب دولت ... بہ علم و فضل کند فخر عالم و فاضل
بہ خاکساری و عجز و نیاز سے بالد ... خدا پرست۔ خدا دوست عارف و کامل
منہ بنائے بلند و حصار مستحکم ... کہ سرنگوں شود این قصر سر بر آوردہ
نہ فگندت ز جائے عز و وقار ... گر تو ساکن بجائے خود باشی
نہ برندت ز پائے استحکام ... گر تو قائم بپائے خود باشی
بے نوا را خزانہ بخشیدی ... بہ گدا آب و دانہ بخشیدی
اسپ بازین۔ فیل باہودج ... بہ سر تازیانہ بخشیدی
بندگانِ خدا پرستاں را ... نیست شایاں خودی و خودبینی

اُردو

گدائی ہمسری کرتی ہے اپنی بادشاہی سے ... یہاں کچکول کی اٹکی ہے بگڑی کج کلاہی سے
ادھر عجز و نیاز و خاکساری ... ادھر ناز و غرور و بے نیازی
جو دیکھا عرق ناک چہرہ تمہارا ... ہوئی شمع روشن پسینے پسینے
دل کے ہمراہ اگر جائے جگر جانے دو ... دونوں دیوانے ہیں جاتے ہیں جدھر جانے دو
وصل کی رات بھی کچھ دل پہ قلق رہتا ہے ... رنگ رخ صبح کے اندیشے سے فق رہتا ہے
ناحق ہے ہم پہ جوش غضب کچھ نہ پوچھئے ... ہے بے سبب عتاب سبب کچھ نہ پوچھئے

حکیم مفتی غلام اکبر وکیل

حضرت مولانا مفتی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سوم تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو اور طب اپنے والد ماجد سے پڑھی تھی۔ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور وکالت کی سند لی تھی۔

پہلے لاہور میں پھر تحصیل موگہ میں وکالت کرتے رہے۔ ایک طبیب حاذق کی حیثیت سے بھی آپ نے کافی شہرت حاصل کی تھی۔ شعر و سخن کا بھی عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ اور اپنے پدر بزرگوار سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔

۲۷ دسمبر ۱۹۰۳ء میں وفات پائی۔ مدفن گورستان گڑھی شاہو احاطہ سید جان محمد حضوری میں ہے۔ دو لڑکیاں عنایت بیگم زوجہ مفتی غلام جعفر بی اے اور صفیہ بیگم زوجہ سید محمد حسن اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

قطعہ تاریخ وفات از مفتی غلام صفدر فوقانی۔

کرد اکبر سفر بہ ملک عدم ۔ شد نشانش ازیں جہاں معدوم
دشمناں را ز مرگ او افسوس ۔ دوستانش بہ ماتمش مغموم

گفت صفدر بسال رحلتِ او
عارف جنت آگیہ مرحوم
۱۳۲۱

حکیم مفتی محمد انور

حضرت مولانا مفتی غلام سرور قدس سرہ کے فرزند چہارم تھے۔ عربی، فارسی، اردو اور طب کی ابتدائی کتابیں اپنے والدِ گرامی سے پڑھیں۔ پھر عربی و فارسی، ادب، صرف و نحو منطق و معانی مولوی عبد الحق لاہوری مرحوم سے پڑھا۔ جو آپ کے والد ماجد کے تلامذہ میں سے تھے۔ پھر مولوی حکیم سید نجف علی شاہ جو لاہور کے نامور اطباء میں سے تھے۔ اُن سے دیگر کتب درسیہ طبیہ کی تحصیل کی۔ اور سات سال تک اُن کے مطب میں کام کرتے رہے۔ پھر اُنکی اجازت سے اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں میں اپنا مطب جاری کیا۔ اور چالیس سال تک نہایت شہرت و ناموری کے ساتھ طبابت کرتے رہے۔ ڈاکٹر حاکم الدین لاہوری سے طب جدید سے بھی استفادہ کیا۔ علم کیمیا کے ماہر اور طبیب حاذق تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور نواب صاحب لوہارو کے معالج خصوصی تھے۔ آپ نے ایک کتاب مجرباتِ انوری کے نام سے لکھی تھی۔ جو طبع نہ ہو سکی۔ ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو لاولد راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ مرقد گورستان گڑھی شاہو احاطہ سید جان محمد حضوری میں ہے

اقبال بیگم

(راقم الحروف کی والدہ مرحومہ) حضرت مولانا مفتی غلام سرور قدس سرہ کی سب سے چھوٹی اور پیاری دختر تھی۔ حضرت نے مغفورہ کو خود ہی بڑے شوق سے اُردو، فارسی اور دینیات کی چند کتب پڑھائی تھیں۔ ۱۸۹۰ء میں سفر حج سے چھ ماہ پہلے اپنے حقیقی برادر زادہ مفتی محمد چراغ دین روشن اور ربیبہ خلف حضرت مولانا مفتی سید محمد مرحوم سے شادی کی تھی۔ مغفورہ نے ۷۶ برس کی عمر میں ۸ فروری ۱۹۵۲ء میں وفات پائی۔ مرقد گورستان میانی صاحب میں ہے۔

مفتی غلام جعفر بی اے آنرز

مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل کے فرزند اکبر تھے۔ فورمین کرسچین کالج سے امتیازی حیثیت کے ساتھ بی اے کیا۔ اُردو، فارسی اپنے والد بزرگوار سے پڑھی۔ انگریزی اور اُردو کی ادبیات پر پورا عبور حاصل تھا۔ کچھ عرصہ روزنامہ مسلم[1] اوٹ لک کے مدیر معاون بھی رہے۔ جو اس وقت متحدہ ہندوستان میں پنجاب کے مسلمانوں کا واحد موقر جریدہ تھا۔

اس کے بند ہو جانے کے بعد روزنامہ ایسٹرن[2] ٹائمز کے ساتھ وابستہ ہو گئے جب یہ اخبار بھی بند ہو گیا۔ تو خود تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ کیوں کہ انگریزی و اردو ادب کے ادیب شہیر تھے۔ اس لیے کالجوں کے پروفیسر۔ مدیران جرائد و رسائل۔ اسمبلی کے ممبر۔ ہائی کورٹ کے جج۔ کاروباری حضرات۔ اپنی اپنی تصانیف۔ مقالات۔ تقاریر

---

[1] مولوی نور الحق والد مولوی عبد الحق لاہوری اس اخبار اور پریس کے مالک تھے۔ چیف ایڈیٹر مسٹر داؤد الپن اور اسسٹنٹ ایڈیٹر مسٹر مجید ملک تھے۔ انگریزی زبان کا بڑا کامیاب اخبار تھا۔ مگر مالی بدحالی کا شکار ہو کر بند ہو گیا۔

[2] مولوی فیروز دین مرحوم اس اخبار کے مالک تھے۔ اور فیروز پرنٹنگ پریس ہی سے چھپ کر شائع ہوا کرتا تھا۔ یہ اخبار تو مسلم اوٹ لک کے پایہ کا نہ تھا۔ مگر مسلمانوں کا انگریزی اخبار ہونے کے باعث ملک میں تھوڑا بہت مقبول ضرور رہا۔ علامہ عبد اللہ یوسف علی مرحوم جو اُن دنوں اسلامیہ کالج کے پرنسپل تھے۔ انہیں اس اخبار کی نگرانی اور ادارت پیش کی گئی۔ مگر انہوں نے جو شرائط پیش کیں۔ اُن پر سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ علامہ موصوف عربی و انگریزی کے مستند ادیب تھے۔ انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ آپ کا شاہکار ہے۔

انگریزی اور اردو تراجم معقول معاوضہ پر بغرض اصلاح بھیجا کرتے تھے۔

مرحوم کو دونوں زبانوں کے ترجمے میں بڑی قدرت و مہارت حاصل تھی۔ قلم برداشتہ لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ جسٹس سر عبدالقادر مرحوم۔ جسٹس منیر۔ خواجہ دل محمد پرنسپل اسلامیہ کالج۔ مولانا ڈاکٹر محمد شفیع ایم اے۔ مولانا عبدالمجید سالک بی اے مدیر انقلاب۔ سید امتیاز علی تاج ایسے حضرات جو بذات خود علم و فضل میں اپنا اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ مرحوم ہی سے اکثر و بیشتر انگریزی و اُردو کے تراجم کا کام کرایا کرتے تھے۔ اور بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بقول خواجہ دل محمد مرحوم "مفتی جعفر صرف مصنف ہی نہ تھے۔ بلکہ مصنف گر بھی تھے"۔

اسی طرح حضرت مولانا احمد علی مرحوم و مغفور اپنے اکثر مقالات و مضامین کا ترجمہ انگریزی زبان میں آپ ہی سے کرایا کرتے تھے۔

مرحوم کو زبان و بیان پر اتنی قدرت کاملہ حاصل تھی۔ کہ ہر ادیب و مصنف کا جو اپنا مخصوص طرز ادا تھا۔ اُسی کے مطابق اصلاح دیتے تھے۔ اور ویسا ہی انداز تحریر اختیار کرتے تھے۔

افسوس باایں ہمہ فضل و کمال اس بے مثال ادیب و مترجم نے اپنے نام پر کوئی مستقل تصنیف سوائے چند مقالات کے نہیں چھوڑی۔

برادر محترم بے حد شفیق و خلیق۔ حلیم و بردبار۔ مرنج و مرنجاں اور آزاد طبع انسان تھے۔ [illegible] جنوری ۱۹۴۵ء میں ۶۳ برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"۔

اولاد:۔ فرزند (۱) مفتی محمد مسعود۔

دختر (۱) رشیدہ بیگم۔

اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

مدفون گورستان میانی صاحب میں ہے۔

مفتی محمد مسعود

مفتی غلام جعفر مرحوم کے فرزند اکبر ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بہ سلسلۂ ملازمت سفر ایران و عراق بھی کیا ہے۔ اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی سعادت حاصل کی ہے۔ طبعی میلان زیادہ تر تجارت کی طرف ہے۔ اسی رجحان کے باعث اب اچھے خاصے معاملہ فہم اعلیٰ درجے کے کاروباری انسان ہیں۔ اکبری منڈی میں اپنی دکان بھی ہے۔ نیز مفتی انڈسٹریز کے نام پر بھی کاروبار کا سلسلہ ہے۔

ایزد تعالیٰ روز افزوں ترقی دے۔ صوفی منش ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں جناب مہر صوبہ مرحوم کے مرید ہیں۔ نیز حضرت پیر زادہ میاں شرف الدین کا پیر بردار جو حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ بغداد میں اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کیے ہیں۔

اولاد:۔ فرزند (۱) مفتی ظہیر الحسن۔

دختر:۔ (۱) عطیہ اطہر۔

(۲) صبیحہ اطہر۔

(۳) الوینہ اطہر۔

(۴) نائلہ اطہر۔

(۵) سمیہ اطہر۔

اولاد میں سے ہیں۔ اور سب کے سب زیر تعلیم ہیں۔ عزیزم کی اہلیہ مقصودہ بڑی ملنسار اور پرخلوص خاتون ہے۔ اللہ سلامت رکھے۔

مفتی محمد والا گوہر شادانی

مفتی محمد والا گوہر نام۔ شادانی تخلص۔ مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل مرحوم کے فرزند
دوم ہیں۔ ابتدائی تعلیم فیروزپور میں حاصل کی۔ جہاں آپ کے والد ماجد وکالت کرتے
تھے۔ جب وہ لاہور آ گئے۔ تو بقیہ تعلیم یہاں پوری کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد
بہ سلسلہ ملازمت رانچی (بہار) آ گئے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ کلکتہ۔ ڈھاکہ اور
میں گذرا۔ جہاں مختلف عہدوں پر فائز ہوتے رہے۔

آج کل آپ مرکزی حکومت میں ڈائرکٹر سپلائی اور کنٹرولر آئرن اینڈ سٹیل
کے معزز عہدے پر فائز ہیں۔ اور کراچی میں مقیم ہیں۔ بلکہ اب وہیں مستقل طور پر
اختیار کر لی ہے۔

دفتری مصروفیات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے ہمہ گیر دلچسپی رکھتے ہیں۔
یہ شوق آپ کو اوائل عمر ہی سے تھا۔ اس ذوق اور لگاؤ نے نہایت پاکیزہ
اور نکھرا ہوا علمی و ادبی مذاق پیدا کر دیا۔ جسے مشق نے اور بھی چمکا دیا۔

چنانچہ آپ کئی ایک مختصر افسانوں۔ ڈراموں اور مکالموں کے مصنف ہیں
اردو ریڈیائی ڈرامہ کے موجد ہیں۔ کلکتہ سے پہلا ریڈیائی ڈرامہ جو نشر ہوا۔
انہی کا لکھا ہوا تھا۔

گناہ کی قیمت۔ دل کی خطا۔ رانا پرتاب (ہندی)، نغمۂ رباب۔ فرض کی قربان گاہ
رام بن باس (ہندی)، طرب کا انجام۔ رقاصہ کی محبت۔ یہ وہ ڈرامے ہیں۔ جو کلکتہ
لاہور۔ پشاور۔ بمبئی اور دیگر ریڈیو سٹیشنوں سے متعدد بار نشر کیے گئے۔

نغمۂ رباب۔ اور فرض کی قربان گاہ جب لاہور ریڈیو سٹیشن سے پہلی مرتبہ
پیش کیے گئے۔ تو ریڈیو سٹیشن کے ارباب نے فخر کے طور پر کہا۔ کہ ہمارا ڈرامے کا
یہ ہے۔

نغمۂ رباب کو یہ امتیازی درجہ حاصل ہوا۔ کہ سید امتیاز علی تاج اور رفیع پیرا یسے روزگار مصنفین نے اداکاری کی۔ اب اس کو پاکستان ریڈیو نے مستقل طور پہ ریکارڈ کر رکھا ہے۔

رام بن باس:۔ خاص طور پر دسہرہ کے تیوار پر کھیلا گیا تھا۔ یہ دہلی سے کئی سال تک متواتر نشر ہوتا رہا۔ حالانکہ دہلی ہندی ادب کا گہوارہ ہے۔ اور ہندو ادیب اس موضوع پر کافی خامہ فرسائی کر سکتے تھے۔

یہ ہیں آپ کے علمی و ادبی شاہکار۔ جو آپ ملازمت کی ذمہ داریوں اور دفتری مصروفیتوں کے باوجود سرانجام دیتے رہے۔

شاعری میں بھی اونچا پایہ رکھتے ہیں۔ کلام میں تنوع۔ شدت جذبات۔ ندرت ادا۔ معنی آفرینی۔ حسن تشبیہ و استعارہ۔ رمزیت و ایمائیت۔ پوری طرح جلوہ گر ہے۔ اسلوب بیان سادہ بھی ہے اور رنگین بھی پھر اس سادگی و رنگینی میں ایک پر لطف فنکاری پائی جاتی ہے۔ جو قاری کی بے خودی و ہشیاری کی صیرفی ہے۔

پورا کلام تو جب شایع ہوگا۔ اس کی شہادت دے گا۔ کہ اس رنگینیٔ خیال نے کیا کیا فنکاری کی ہے۔ یہاں صرف آپ کی تین غزلیں اور تین نظمیں تسکین ذوق کے لیے درج کی جاتی ہیں۔ دیکھیے کیا کیا معنی طرازی کی ہے۔

سنا ہے کہ آپ کا منظوم و منثور کلام عنقریب شایع ہو کر ارباب علم و دانش کے ہاتھوں میں آنے والا ہے۔ خدا کرے یہ روز سعید جلد آئے۔ اور برادرم اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اپنے کلام کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوں۔ اور عقد زبان اردو میں گرانمایہ لعل مایہ کا اضافہ ہو۔

برادرم ماشاء اللہ باایں ہمہ ثقاہت و فضل و کمال۔ خندہ رو۔ خندہ طراز۔ یارباش خوش گفتار اور رونق محفل ہیں۔

اولاد۔ فرزند (۱) محمود اختر مفتی

(۲) شاہد مفتی

(۳) حامد مفتی۔

(۴) طاہر مفتی۔

دختر (۱) پروین۔

عزیزم اختر و شاہد حال ہی میں انگلستان و جرمنی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے آئے ہیں۔ اختر ٹیکسٹائل انجینیر ہیں۔ اور ایک جرمن کمپنی میں ملازم ہیں۔

شاہد پاکستان کی مرچنٹ نیوی میں ایک اعلیٰ عہدہ پہ فائز ہیں۔

حامد، طاہر و پروین زیر تعلیم ہیں۔

محترمہ الطاف (بیگم گوہر، سلمہ تعالیٰ) بڑی شفیق اور منتظم و مدبر خاتون ہیں۔

غزلیں

(۱)

جرات ساقی و صہبا کو کبھی دیکھا ہے
سہمی سہمی میری توبہ کو کبھی دیکھا ہے

سرخ ہونٹوں پہ کبھی دیکھی ہے ہلکی سی ہنسی
بات کرتے گل و غنچہ کو کبھی دیکھا ہے

میری دیوانگیٔ شوق پہ ہنسنے والو
میری اُس جانِ تمنا کو کبھی دیکھا ہے

قافلے والو یہ مڑ مڑ کے نگاہیں کیسی
ساتھ دیتے ہوئے دنیا کو کبھی دیکھا ہے

جاگتے نیند سے دیکھا ہے کسی مدہوش کو
یوں چھلکتے ہوئے ساغر کو کبھی دیکھا ہے

لب سے چھوتے ہوئے ساغر کبھی دیکھا ہے انہیں
اپنا منہ چومتے مینا کو کبھی دیکھا ہے

چشم مخمور کے دیکھے ہیں کرشمے تو نے
ٹوٹتے زہد کو تقویٰ کو کبھی دیکھا ہے

حسن کی نور کی رنگت کی ضیا کی دنیا
تم نے میرے گل رعنا کو کبھی دیکھا ہے

مہر کی گود میں مہتاب کو دیکھا ہے کبھی
اس بت آئینہ سیما کو کبھی دیکھا ہے

میں تیری بزم سے جاؤں گا پیمبر ہو کر
کس نے تا کاجی موسیٰ کو کبھی دیکھا ہے

حرم و دیر ہیں جس سے میرے روشن گوہر
تو نے اس برق کلیسا کو کبھی دیکھا ہے

(۲)

جنت بسار ہے ہیں کس کی نظر کے سائے
کلیاں بھی مسکرائیں کانٹے بھی مسکرائے

شوقِ سپردگی میں غنچے ہیں سر جھکائے
تم گلستاں میں آئے یا میرے دل میں آئے

یہ ناپ تول ساقی ہاں ہاں ضرور ساقی
اس کشمکش میں لیکن ساغر چھلک نہ جائے

کشتی کا امتحاں کیا یہ میرا امتحاں ہے
ساحل سے آج کہہ دو موجوں میں ڈوب جائے

وجہ نمود کچھ ہو اک یہ بھی روشنی ہے
پلکوں پہ جو کسی کے تارے سے جھلملائے

اے شاطرِ زمانہ کیوں ہم پہ ہنس رہا ہے
تیری بلا سے ہم نے کتنے فریب کھائے

ہے عین نظمِ فطرت دن رات کا تسلسل
اس گلستاں سے بھاگو جس میں خزاں نہ آئے

کیفیتیں جنوں کی آگے ہیں کچھ خرد سے
طوفاں میں جیسے دریا کچھ اور پھیل جائے

یوں دل میں آ رہی ہیں کچھ دھندلی دھندلی یادیں
بجھتے دلوں سے جیسے محفل کوئی سجائے

تکمیل جستجو کا منزل ہے نام گوہر
تم پہلے گام پر ہی منزل کو کھینچ لائے

(۳)

تیری بجلیاں آشیانے ہمارے
ٹھکانے لگے اب ٹھکانے ہمارے

ترا حسن تیری ادا تیری مستی
بہت شوخ و رنگیں فسانے ہمارے

در دیر پر شوق سجدہ تھا لیکن
بڑی خیر کر دی خدا نے ہمارے

جہاں حکم تیرا ملا اپنی کشتی
ڈبو دی وہیں ناخدا نے ہمارے

ہمیں سے ہیں آبادیاں اس زمیں کی
جہاں دیکھئے کارخانے ہمارے

جنوں، آگہی، سوز، عرفان و مستی
بڑے بیش قیمت خزانے ہمارے

سرِ حشر جاتا گیا عذرِ مستی
بڑی شرم رکھ لی خدا نے ہمارے

خدا نے ہمیں عذرِ مستی پہ بخشا
سمجھتا تھا یوں سب بہانے ہمارے

محبت کی الجھن سے واقف ہے گوہر
جو سنتا ہے دل سے فسانے ہمارے

نظمیں

(۱)

تیرا شاہکار جہاں

دامن خاک ہے پر نور و تجلی افشاں دلکش و تازہ و پر کیف ضیا پاش جواں
مسکراتے ہوئے گلزار پہ جنت کا گماں سینۂ بحر پہ پگھلے ہوئے انوار رواں
تیرا شاہکار جہاں ہاں تیرا شاہکار جہاں

دستِ تقدیر میں اس طرح بشر کی تدبیر جس طرح ہاتھ میں پاگل کے برہنہ شمشیر
یا کسی پنجرۂ مجنوں میں کھنکتی زنجیر کسی ٹوٹے ہوئے آئینہ پہ مبہم تصویر
کس قدر الجھے ہوئے خواب کی الجھی تعبیر

احمریں ہونٹ سیاہ آنکھ مچلتے گیسو رقصِ مستی کہ مئے ناب کا سرجوش سبو
مرمریں جسم شباب اُس کا میرا گرم لہو تیز سانسوں کا پگھلتا ہوا لاوا ہر سو
جھانکتا تجھ کو نظر آتا ہے اس آگ سے تو۔

آندھیاں سرخ بغضب ناک اگر جیتا محشر اپنا منہ نوچتے اور ناچتے وہ برق و شرر
زد میں سیلاب کے ہر چیز ادھر اور اُدھر کتنی محنت سے بنائے تھے غریبوں نے یہ گھر
اور قسمت نے دیا اُن کو یہ محنت کا ثمر

ایک مزدور کی معصوم کنواری بیٹی قصرِ زر کار میں بیچاری بصد مجبوری
آنسوؤں سے در و دیوار کو دھونے آئی مرمریں فرش کو زلفوں سے سکھانے بیٹھی
حکم تیرا تھا یہی تیری مشیت تھی یہی۔

مسجدوں میں یہ نمازوں کے ہزاروں انبار مولوی جس کی امامت سے مسلماں کا وقار
اُنکے کردار کہ ہر رنگ میں ننگِ کردار مشتعل تنگ نظر اور مجسم تکرار
اس طرف امتِ بیمار اُدھر وار پہ وار

چشمِ ظاہر میں ریاضت کی نمایاں تصویر ہمہ تن پارۂ قرآن مجسم تکبیر!
مہر سجدہ سے جبیں پہ وہ فروغ تنویر حجرۂ خاص معطر بہ کمالِ تدبیر!
ریش اقدس میں کسی زلف سیاہ کی زنجیر

اور وہ وادیٔ شاداب وہ سرسبز شجر — جھاڑیوں پر وہ حسین پھول بصد حسن نظر
مطمئن لوگ جنہیں کچھ نہ قیامت کی خبر — کہ یکایک کسی کہسار میں گرجا محشر
زلزلے جیسے کہ پھنکارتے خونیں اژدر

گود میں ماں کی کوئی طفل حسین ماہ لقا — وہ بلکھاتا ہوا لاوا وہ قیامت کی ہوا
کہ اچانک ہوئی ماں بھی ہدف تیر قضا — مضطرب خوف سے حیران کہ یہ طوفان ہے کیا
ماں کے سینے پہ گرا چیخ کے اور پھر نہ اٹھا

برہمن سامنے بیٹھا ہے لیے اپنا خدا — ایشور۔ رام مہادیو لقب ہیں کیا کیا
بس یہی مرکز طاعت یہی معبود اُس کا — دیوتا دیوتا کہتے ہوئے سجدے میں گرا
اور مٹی کا وہ بیکار کھلونا تو یہ

تیرا شاہکار جہاں ہاں تیرا شاہکار جہاں — چشم ظاہر میں یہ ہے خلد مگر خلد کہاں
یہاں مرنا بھی کٹھن زیست بھی دشوار و گراں — تیرا شاعر کہ ملا جس کو فقط حسن بیاں
سوچتا ہے کہ اگر جائے تو پھر جائے کہاں

---

(۲)

بغاوت

فضا تھی عرش کی پر کیف پر سکون خموش — سوادِ وادیٔ جنت بھی تھا نشاط فروش
ہوا سرود بدامن خمار در آغوش — سمندروں کے تلاطم نہ ساحلوں کا خروش
کچھ ارتعاش جو تھا تو ہنسی سے حوروں کی — بہت تھی نازک و دلکش صدا طیوروں کی

نہ حکمرانوں کے زور و اثر کے چرچے تھے — نہ زلزلوں کے نہ برق و شرر کے چرچے تھے
نہ جنگ و توپ نہ تیغ و تبر کے چرچے تھے — نہ ظلمتوں کے نہ خوف و خطر کے چرچے تھے
نہ وحشتیں تھیں نہ زور بیاں کی گرمی تھی — لبوں پہ لطف و کرم تھا دلوں میں نرمی تھی
وطن کے نام پہ سوداگری نہ ہوتی تھی — ستم فروش نہ تھے آذری نہ ہوتی تھی

نمایش روشِ دلبری نہ ہوتی تھی — نمودِ عشرت و عشوہ گری نہ ہوتی تھی
نہ گمرہوں کی نہ کچھ رہبروں کی باتیں تھیں — نہ عاقلوں کی نہ دانشوروں کی باتیں تھیں

یہ وہ مکاں تھا جہاں انبیا تھے سربسجود — دل و زباں ملائک پہ تھا ثنا و درود
تھے لمحے خیر سے پُر اور ساعتیں مسعود — ادا و ناز سے بیگانہ شاہد و مشہود
پیامِ جن و ملک لَا اِلٰہ الا اللہ — فلک سے تا بہ فلک لا الٰہ الا اللہ
دماغ ہوش و عبادت کے کیف سے مخمور — نشانِ کبر و ریا تھا نہ رنگِ حسن و غرور
تھا ہر مقام محبت کے نور سے معمور — بس ایک عشق کی گرمی تھی ظاہر و مستور
جبیں کو سجدوں سے فرصت نہ تھی گھڑی کیلئے — شرابِ کوثر و تسنیم تھی سبھی کے لیے

نگاہِ بارگہِ کبریا کی متوالی — نظر بلند دلوں میں مقاصدِ عالی
دماغ جراتِ بیجا کے بوجھ سے خالی — کوئی غلام نہ آقا نہ حاکم و والی
زباں پہ شکر لبوں پہ نیازمندی تھی — نہ خود پرستی تھی اُس جا نہ خود پسندی تھی

عروج نورِ شباب سرور تھا ہر سو — قدم قدم پہ بچھا کوہِ طور تھا ہر سو
بیان عقل تھا ذکرِ شعور تھا ہر سو — تبسم لبِ غلمان و حور تھا ہر سو
یہ تھی فضا کہ یکایک بلند شور ہوا — جہانِ امن میں کرب و بلا کا دور ہوا

فرشتے دوڑے کہ یہ عرش پر غضب کیا ہے — جنون و ولولہ و جوش کا سبب کیا ہے
سوال کیسا ارادہ ہے کیا طلب کیا ہے — غبارِ خاطرِ غم کیا بیان لب کیا ہے
یہ کون لوگ ہیں آخر کہاں سے آئے ہیں — نکالو بھیج دو واپس جہاں سے آئے ہیں

پتہ چلا کہ ہے برپا عجب قیامت سی
ہے ایک فوج لڑی ساکنانِ دوزخ کی
ملا کے ساتھ یہ کچھ باغبانِ جنت بھی
حضورِ خالقِ اکبر پہنچ گئی خود ہی
یہ لوگ اتنے قوی ہیں یہ اتنے غالب ہیں
یہ آسمان پر جمہوریت کے طالب ہیں

---

(۳)

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

پھر سا گ اٹھی دبی چنگاریوں میں زندگی
روح میں جاگی کوئی امید کوئی تازگی
جس طرح چونکے گراں خوابی سے کوئی آدمی
پھر میرے سینے میں تیری یاد نے کروٹ سی لی

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

ہاں وہ ہنگلی کا کنارہ وہ معطر چاندنی
ہم کناری اور پھر وہ بے خودی سی بے خودی
جس طرح بادِ صبا غنچے کے منہ کو چومتی
صبر کا اک امتحاں تھا آزمائش ضبط کی

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

وہ تیری باہوں میں میری حسرتوں کا پیچ و تاب
وہ تیرے ہونٹوں سے رستی آرزوؤں کی شراب
ہائے وہ جوشِ تمنا ہائے وہ جوشِ شباب
جسم تیرا نازکی میں اس طرح جیسے گلاب

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

وہ تیری رنگین ساری جس طرح موجِ بہار
وہ سرک جانا تیرے سینے سے اُس کا بار بار
وہ محبت کی امنگیں وہ تمنا کا خمار
وہ جوانی کی پرستش بے خود و بے اختیار

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

گرم ہونٹوں کا تصادم جس طرح دو منچلے
جا گریں اک دوسرے پر لڑکھڑا نے جھومتے
سرمگیں تاریکیوں میں وہ درخشاں قہقہے
ہچکچاتی آرزوئیں کسمساتے ولولے

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

وہ جنوں وہ جوش وہ رنگِ خودی وہ اہتمام
جیسے قدموں میں نچھاور ساری دنیا کا نظام
وقت تھا خادم تو قسمت کے فرشتے تھے غلام
خود جوانی دے رہی تھی کچھ جوانی کو پیام

پھر دلِ بیتاب کو تیرا خیال آ ہی گیا

اور وہ قربت کہ نظروں کا بھی ناممکن گذر　　بے خودی کی انتہا دیوانگی معراج پر
بے نیاز وقت یکسر بے خیال و بے خطر　　خوفِ مستقبل نہ کچھ ماحول کا دل پر اثر

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

کیا اگر اک دوسرے سے ہم جدا بھی ہو گئے　　پھر دوبارہ اور بے تابی سے ملنے کیلئے
ہائے وہ لمحے خمار و کیف میں ڈوبے ہوئے　　میرے شانوں پر ترے گیسوئے برہم جھومتے

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

جھوم کر کالی گھٹاؤں کا وہ آنا یاد ہے　　خوف سے بارش کے پھر سائے میں جانا یاد ہے
چہرۂ انور سے زلفوں کا ہٹانا یاد ہے　　مسکرانا وہ ترا مستی میں گانا یاد ہے

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

اور وہ کشتی کہ جیسے راجہ اندر کی پری　　جا رہی تھی مطمئن ہلکی کا سینہ چیرتی
اُس میں تو اور میں اکیلے بے نیاز زندگی　　آہ یہ تھا عشق یہ تھی عشق کی دیوانگی

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

ڈرتے ڈرتے آگیا پھر اُس گھڑی کا بھی خیال　　آنسوؤں کا ہچکیوں کا بے بسی کا بھی خیال
یعنی بختِ نارسا کی برہمی کا بھی خیال　　اُس قیامت اُس فلک کی دشمنی کا بھی خیال

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

قسمت برگشتہ نے سامان کچھ ایسے کیے　　یعنی تو اور میں ہمیشہ کو جدا یوں ہو گئے
خشک دریا میں کوئی اک موج جیسے آگرے　　اور اچانک سینۂ دریا کے دو ٹکڑے کرے

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

زندگی اپنے لیے ہے مستقل بارِ گراں　　لذتیں دنیا کی گویا بن گئی ہیں تلخیاں
تیرے دم سے تھی کبھی رنگیں ہماری داستاں　　اب مزا جینے میں اب وہ لطف مرنے میں کہاں

پھر دل بیتاب کو تیرا خیال آہی گیا

حضرت مولانا حافظ مفتی غلام رسول بن حضرت حق آگاہ مولانا

مفتی شاہ محمد رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری

آپ حضرت مولانا حکیم مفتی غلام محمد عارف باللہ کے برادرِ اصغر تھے۔ آپ ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ اور قرآن شریف حفظ کیا تھا سلسلۂ سہروردیہ میں بھی اُنہی سے بیعت تھے۔

اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں میں رہتے تھے۔ آپ نے ایک مسجد قریب ہی گذر محلہ پیر گیلانیاں میں تعمیر کی تھی۔ تمام عمر اُسی مسجد میں طلبہ و مریدین کو درس دیتے رہے۔ علوم دینیہ میں فاضل اور فنِ قرأت کے ماہر تھے۔ دنیوی جاہ و حشمت سے نفور۔ مستغنی المزاج اور ظاہری و باطنی خوبیوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔

اولاد۔ فرزند (۱) مولوی مفتی غلام محی الدین۔

دختر (۱) ہاجرہ بی بی زوجہ سید احمد شاہ[ل] بن غلام محی الدین شاہ مرحوم

ل سید جان محمد حضوری قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد میں سے تھے۔ اس وقت آپ کے پوتے بہادر شاہ خلف سردار شاہ بن احمد شاہ درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین ہیں۔ احمد شاہ مرحوم کے دوسرے بھائی حسین شاہ تھے۔ جن کے دو فرزند دلاور شاہ مرحوم اور شاہ عالم تھے۔ دلاور شاہ صاحب نے ۱۹۲۳ء میں وفات پائی۔ راقم الحروف کے بڑے بہنوئی تھے۔ میری ہمشیرہ بزرگ خورشید بیگم آپ کے نکاح میں تھیں۔ سید اقبال علی شاہ اور عزیزہ دل افزا زوجہ برکت علی شاہ مرحوم آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ محترم اقبال علی شاہ کے چار فرزند اسلم شاہ۔ نواز علی شاہ۔ عارف علی شاہ اور محسن شاہ اور تین لڑکیاں عزیزہ مسرت۔ کلثوم اور کوثر اولاد میں سے ہیں۔ راقم کی دوسری ہمشیرہ سیدہ بیگم (باقی بر ۱۶۵)

قطعۂ تاریخ وفات:۔

چوں غلامے از غلامانِ رسول — گشت در خلد بریں مسند نشین
مصرع تاریخ سرور زد رقم — "صاحب دیں مفتی شرع متین" ۱۲۸۷

مولوی مفتی غلام محی الدین

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اُن کے جانشین ہوئے۔ درس و تدریس کے ساتھ شوقِ تجارت بھی رکھتے تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اولاد۔ فرزند (۱) مولوی مفتی غلام لیٰسین

مولوی مفتی غلام لیٰسین

اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ اپنے دادا کی مسجد میں امامت اور درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں وفات پائی۔

اولاد۔ فرزند (۱) مفتی غلام دستگیر۔
(۲) مولوی مفتی غلام غوث
دختر (۱) تاج بیگم۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) زوجہ غلام حسین قریشی فیروزپوری کی اولاد سے ایک فرزند عزیزم منظور حسین اور ایک دختر تاج بیگم زوجہ علاؤالدین قریشی ہے۔ یہ دونوں ہمشیرگاں میری پہلی والدہ مرحومہ فرخندہ بیگم بنت حضرت مولانا مفتی غلام سرور مرحوم کے بطن سے تھیں۔

مفتی غلام دستگیر

مولوی مفتی غلام یٰسین کے فرزند اکبر ہیں۔ ایک وکیل کے منشی ہیں۔ لاہور ہی میں قیام رکھتے ہیں۔ کوئی اولاد نہیں ہے۔

مولوی مفتی غلام غوث

مولوی مفتی غلام یٰسین کے فرزند دوم ہیں۔ اپنے جد امجد کی مسجد میں فرائض امامت سرانجام دیتے ہیں۔ اپنے دادا مغفور کی طرح شوق تجارت بھی رکھتے ہیں۔ ایک فرزند محمود محی الدین اور ایک دختر عزیزہ حمیدہ[1] بیگم اولاد سے ہیں۔

---

[1] زوجہ نوازش علی شاہ خلف سید بزرگ شاہ مرحوم ساکن بیرون بھاٹی دروازہ لاہور عزیزہ کے چار فرزند الطاف حسین۔ ارشاد حسین۔ افتخار حسین۔ الیاس علی اور تین لڑکیاں ایاز فاطمہ۔ یاسمین، لاڈ بتیہ اولاد سے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی صدر الدین[1] قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری

حضرت مولانا حکیم مفتی غلام محمد عارف باللہ کے خواہرزادہ اور داماد تھے۔ حضرت کی دختر[2] دوم فاطمہ بی بی آپ کے نکاح میں تھیں۔ والد کا سایہ اوائل عمر ہی سے سر سے اُٹھ گیا تھا۔ آپ ہی نے پرورش کیا۔ اور تعلیم و تربیت دی۔ جامع مسجد بلوچاں جو آپ کی تولیت میں تھی۔ اُس کی امامت و خطابت مع حقوق تولیت ان کو تفویض کی۔ اور مزنگ کی حویلی سکونت کے لیے دی۔ چنانچہ تاحین حیات آپ ان فرائض کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنے آبائی سلسلہ سہروردیہ کی تلقین بھی جاری رکھی

---

[1] بن مولانا مفتی احمد بخش بن مولانا مفتی حافظ محمدی بن حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی رحمت اللہ بن حضرت مولانا خواجہ مفتی محمد ایوب قدس سرہٗ المتوفی ۱۱۵۵ھ بن مولانا حافظ مفتی محمد تقی بن مولانا حافظ مفتی محمد تقی بن حضرت مولانا مفتی شیخ کمال الدین خورد قدس سرہٗ المتوفی ۱۰۹۵ھ از اولاد امجاد شیخ الاسلام مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی قریشی اسدی الہاشمی سہروردی قدس سرہٗ۔

[2] حضرت جد امجد مولانا حکیم مفتی غلام محمد قدس سرہٗ کی دختر بزرگ زیب النساء بیگم۔ حسن علی بن لطف علی قریشی ہاشمی ساکن اندرون موچی دروازہ لاہور کے نکاح میں تھیں۔ دو فرزند ڈاکٹر سید علی الفت اور برکت علی اور سبیرہ اولاد سے تھے۔ ڈاکٹر سید علی الفت کا لڑکا اوائل عمر ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ اور سوائے اس لڑکے کے ان کی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ برکت علی اور سبیرہ کا ایک لڑکا امانت علی تھا۔ جو پہلے لاہور میں محکمۂ تعمیرات میں ڈرافٹسمین تھا پھر بہ سلسلۂ ملازمت ہندوستان چلا گیا۔ اور تمام عمر وہیں بسر کی۔ ۱۹۴۲ء میں بمقام گونا وفات پائی۔ ایک لڑکا اور تین لڑکیاں اولاد میں سے ہیں۔ اب ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

چنانچہ درسِ قرآن و حدیث و فقہ کے ساتھ ارشاد و ہدایت کا بھی سلسلہ تھا۔ طلبہ و مریدین پر پوری توجہ دیتے تھے۔ اس سلسلے میں بھی اپنے خسر محترم کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور اُن سے باقاعدہ اجازتِ درس و تلقین حاصل کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد ان فرائض سے پوری طرح عہدہ برآنہ ہو سکی۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر حویلی اولاد میں تقسیم ہو گئی۔ اور مسجد کا انتظام و انصرام اہلِ محلہ نے اپنے ذمے لیا۔ سنہ ۱۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

اولاد۔ فرزند (۱) مفتی فخر الدین۔

(۲) مفتی رفیع الدین۔

(۳) مفتی امین الدین۔

اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

مفتی فخر الدین

مولانا مفتی صدر الدین کے فرزند اکبر تھے۔ تمام عمر مزنگ ہی میں سکونت پذیر رہے جلد سازی کا کام کرتے تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اولاد۔ فرزند۔ مفتی شمس الدین۔

(۲) مفتی علاؤ الدین۔

مفتی شمس الدین

مفتی فخر الدین کے فرزند اکبر تھے۔ ریلوے میں ملازم تھے۔ تمام عمر مزنگ ہی میں رہے برادرم نہایت ہی مخلص اور خلیق و انیس تھے۔ سنہ ۱۹۵۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپ کے برادر اصغر مفتی علاؤ الدین تاحال بقید حیات ہیں۔

اولاد۔ فرزند (۱) مفتی نذیر احمد۔

(۲) مفتی بشیر احمد۔

(۳) مفتی شبیر احمد۔

دختر (۱) اقبال بیگم۔ زوجہ سید مہر علی شاہ خلف عنایت شاہ مرحوم۔

(۲) رضیہ بیگم (عالم جوانی میں وفات پائی)

مفتی نذیر احمد

مفتی شمس الدین مرحوم کے فرزند اکبر ہیں۔ آج کل محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ سندھ میں میکنیکل ایس۔ ڈی او ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں فنی تربیت کے لیے انگلستان بھی گئے کچھ عرصہ بہ سلسلۂ ملازمت کویت بھی رہے۔ عزیزم اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

اولاد۔ فرزند (۱) ڈاکٹر مفتی اختر نذیر۔ ایل ایس ایم ایف

(۲) مفتی ساجد نذیر۔

(۳) مفتی خالد نذیر۔

دختر (۱) عزیزہ بشریٰ زوجہ عارف علی شاہ۔

(۲) عزیزی عذرا۔

(۳) عزیزی زاہدہ

عزیزی ڈاکٹر مفتی اختر نذیر ایل ایس ایم ایف گورنمنٹ سروس میں ہے۔ ساجد و خالد اور عذرا و زاہدہ زیر تعلیم ہیں۔

مفتی بشیر احمد

مفتی شمس الدین مرحوم کے فرزند دوم ہیں۔ ہمہ صفت موصوف ہیں۔ بڑے مخلص

اور ملنسار ہیں۔ ریلوے ورکس شاپ میں ملازم ہیں۔

اولاد۔ فرزند (۱) مفتی زاہد بشیر۔

(۲) مفتی شاہد بشیر۔

دختر (۱) عزیزہ شاہدہ

(۲) عزیزہ طاہرہ۔ سب زیر تعلیم ہیں۔

مفتی شبیر احمد

مفتی شمس الدین مغفور کے فرزند سوم ہیں۔ صالح نوجوان ہیں۔ الکٹریشن ہیں۔ ہنوز ناکتخدا ہیں۔

مفتی رفیع الدین

حضرت مولانا مفتی صدر الدین مرحوم کے فرزند دوم تھے۔ گورنمنٹ پریس میں ملازم تھے۔ تمام عمر مزنگ ہی میں اقامت گزیں رہے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اولاد۔ فرزند (۱) مفتی وزیر علی (عین عالم جوانی میں لاولد وفات پائی)

(۲) امیر بیگم زوجہ مفتی شمس الدین خلف مفتی فخر الدین مرحوم۔

(۳) وزیر بیگم زوجہ ضامن علی شاہ مرحوم۔

مفتی امین الدین

حضرت مولانا مفتی صدر الدین کے فرزند سوم تھے۔ گورنمنٹ پریس میں ملازم تھے۔ سکونت مزنگ ہی میں تھی۔ ان کا ایک فرزند مفتی محمد شفیع مع اہل و عیال اندرون بھاٹی دروازہ میں مقیم ہے برادرم کے پانچ فرزند خالد سعید، عبد العزیز، محمد افضل، محمد اقبال اور دو لڑکیاں عزیزی فردوس زوجہ افتخار علی شاہ و عزیزہ بلقیس اولادیں سے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوۡا ط اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ۝

ترجمہ۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہاری ذاتیں گوتیں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک اُسی کی عزت ہے جو متقی ہے۔ اللہ علیم و خبیر ہے (الحجرات پارہ ۲۶)

(شجرہ نسب)

عبد المناف

ہاشم

اسد

حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر عبد الرحمان

امیر عبد الرحیم

امیر تاج الدین المطرف

امیر حازم

امیر خذیمہ

امیر مطرف

امیر حسین

سلطان عبد اللہ

سلطان حسین

سلطان شمس الدین

سلطان علی قاضی

سلطان جلال الدین

سلطان کمال الدین شاہ ابی بکر

حضرت شیخ وجیہ الدین محمد غوث المتوفی سنہ ۵۹۰ھ (معدن نور)

(۱) حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام ابو محمد مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی قریشی اسدی الہاشمی سہروردی قدس سرہ العزیز۔ ولادت سنہ ۵۷۸ھ (عشق حق) ۔ وفات سنہ ۶۶۶ھ (عاشق صادق) بعہد سلطان غیاث الدین بلبن۔

(۲) حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین محمد نور رحمۃ اللہ علیہ

(۳) مخدوم شیخ قطب الدین

(۴) مخدوم شیخ جمعون

(۵) مخدوم شیخ فیض اللہ

(۶) مخدوم شیخ ہدایت اللہ

(۷) مخدوم شیخ صالح

(۸) حضرت مخدوم مولانا شیخ محمد معروف بہ میاں وڈا مفتی و مدرس لاہور المتوفی سنہ ۸۹۱ھ فیاض

(۹) حضرت مولانا مخدوم مفتی شیخ کمال الدین مفتی و مدرس لاہور المتوفی سنہ ۹۲۸ھ (شرع احمد) ۔

(۱۰) مولانا مفتی عبد الصمد

(۱۱) مولانا مفتی عنایت اللہ

(۱۲) مولانا قاضی مفتی محمد طاہر

(۱۳) حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی عبد السلام مفتی و مدرس لاہور المتوفی سنہ ۱۰۳۱ھ شمس المتقین ۔

(۱۴) مولانا مفتی محمد محمود

(۱۵) مولانا مفتی برہان الدین

(۱۶) مولانا مفتی عتیق اللہ

(۱۷) مولانا مفتی عبد السمیع

(۱۸) حضرت مولانا مفتی شیخ کمال الدین خورد المتوفی سنہ ۱۰۹۰ھ ۔ "داعظم اا بیاں"

(۱۹) مولانا حافظ مفتی محمد تقی المتوفی سنہ ۱۱۳۱ھ (مفتی الشرع)

(۲۰) مولانا حافظ مفتی محمد تقی المتوفی سنہ ۱۱۴۶ھ . (حسن عالم تاب)

(۲۱) حضرت مولانا خواجہ مفتی محمد ایوب قدس سرہ المتوفی سنہ ۱۱۵۵ھ (مہتاب بہشت)

(۲۲) حضرت علامہ حافظ حکیم مفتی رحمت اللہ المتوفی سنہ ۱۱۹۰ھ (مخزن الاسرار)

(۲۳) حضرت مولانا حق آگاہ مفتی شاہ محمد رحیم اللہ المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ (تاج الثنیا مرجال)

(۲۴) حضرت عارف باللہ مولانا حکیم مفتی غلام محمد المتوفی سنہ ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء (خورشید دین محمد)

(۲۶) حضرت مولانا حافظ مفتی غلام احمد رحمۃ اللہ

(۲۷) حضرت مولانا حاجی حکیم مفتی غلام سرور رحم

(۲۵) حضرت مولانا مفتی سید محمد رحمت اللہ علیہ المتوفی سنہ ۱۲۸۰ھ (روح مسافر شد مسافر)

مفتی محمد چراغ دین روشن ولادت سنہ ۱۲۶۸ھ چراغ دین وفات سنہ ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۰ء

مولوی حاجی مفتی جلال الدین المتوفی سنہ ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۰ء

حکیم مفتی محمود عالم

مفتی محبوب عالم المتوفی ۱۹۴۲ء (بمقام سیشل مشرقی افریقہ)

حکیم مفتی نیر محمود

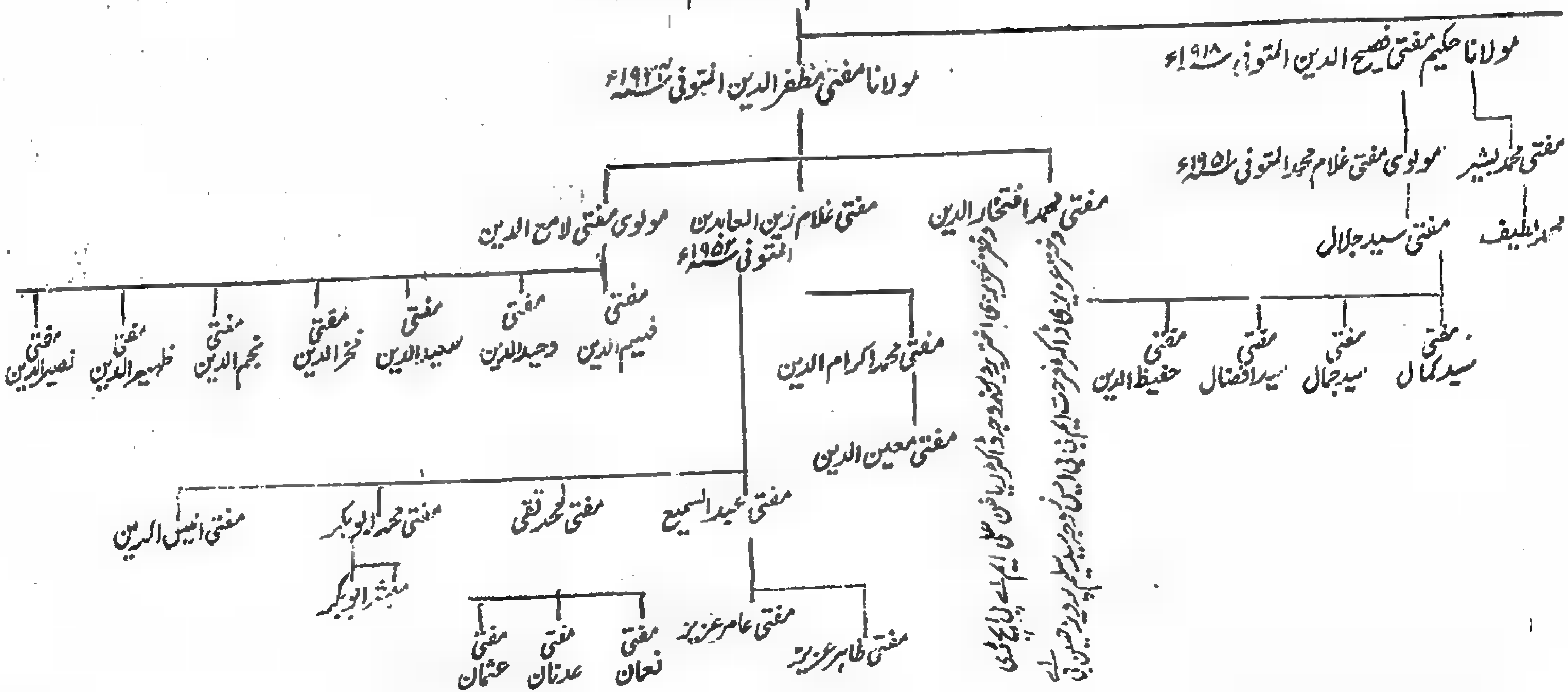
مفتی مظہر محمود

مفتی اظہر محمود

اولاد

(۲۶) حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۹۱ھ ونماند حافظ کلام اللہ"
خلف دوم حضرت عارف باللہ مولانا حکیم مفتی غلام محمد (قریشی اسدی الہاشمی سہروردی) لاہوری

مولانا حافظ حکیم مفتی غلام احمد



اولاد

(۲۷) حضرت مولانا حاجی حکیم مفتی غلام سرور قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۳۰۷ھ ۱۸۹۰ء شمس علم عاشق رسول — غلام سرور صدر جہاں

خلف سوم حضرت عارف باللہ مولانا حکیم مفتی غلام محمد قدس سرہٗ۔

قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری

مولانا مفتی غلام سرور

مفتی غلام سرور قانی وکیل المتوفی ۱۹۲۳ء

- مفتی غلام جعفر بی اے
  - مفتی محمد مسعود
  - مفتی ظہیر الحسن
- مفتی محمد دلاگوہر شادانی
  - مفتی اختر محمود
  - مفتی شاہد
  - مفتی حامد
  - مفتی طاہر

اولاد

حضرت مولانا حافظ مفتی غلام رسول خلف حضرت مولانا مفتی شاہ محمد رحیم اللہ حق آگاہ قدس سرہٗ

المتوفی ۱۲۸۷ھ "صاحب دین مفتی شرع مبین"

(قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری)

مولانا مفتی غلام رسول (برادر اصغر حضرت عارف باللہ مولانا حکیم مفتی غلام محمد قدس سرہ)

مولوی مفتی غلام محی الدین

مولوی مفتی غلام لیٰسین المتوفی ۱۹۱۲ء

- مفتی غلام دستگیر
- مولوی مفتی غلام غوث
  - مفتی محمود محی الدین

اولاد

حضرت مولانا مفتی صدر الدین المتوفی سنہ ۱۳۱۰ھ خلف مولانا مفتی احمد بخش بن مولانا حافظ مفتی محمدی بن حضرت مولانا حافظ حکیم مفتی رحمت اللہ قدس سرہ المتوفی سنہ ۱۱۹۰ھ (مخزن الاسرار)

قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری

(حالات کے لیے صفحہ ۱۶۶ دیکھیے)

- مولانا مفتی صدر الدین
  - مفتی رفیع الدین
    - مفتی وزیر علی
  - مفتی فخر الدین
    - مفتی شمس الدین
      - مفتی بشیر احمد
        - مفتی زاہد بشیر
        - مفتی شاہد بشیر
      - مفتی نذیر احمد
        - ڈاکٹر مفتی اختر نذیر
        - مفتی ساجد نذیر
        - مفتی خالد نذیر
      - مفتی شبیر احمد
    - مفتی علاء الدین
  - مفتی امین الدین
    - مفتی محمد شفیع

ذکرِ جمیل

تذکرہ

اولادِ امجاد حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین محمد نور رحمۃ اللہ علیہ

خلفِ نجیب

حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی

قریشی اسدی الہاشمی سہروردی قدس سرہ

مؤلف و مرتبہ

مفتی محمود عالم ہاشمی